بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے
غار کا گیت
اشتیاق احمد
اٹلانٹس پبلکیشنز

دو باتیں

السلام علیکم!

بہت دنوں بعد آپ ایک ایسا ناول..... لیکن نہیں میں کسی ناول کی دو باتیں میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ناول کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ہرگز نہیں کیا کروں گا۔ دوسرے لفظوں میں اپنی رائے آپ پر نہیں ٹھونسا کروں گا، تاکہ آپ بے لاگ تبصرہ کر سکیں۔ میں یوں بھی لاگ لپیٹ کا قائل نہیں، بات کھری ہی بہتر ہے۔ آئینہ تو نظر آ جاتا ہے۔ یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کتنے پانی میں ہے۔ ان دنوں یار لوگ۔ زور شور سے مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں، میں ایک ناول عمران سیریز کا بھی لکھا کروں۔ مجھے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ میرا اپنا ایک راستہ ہے۔ میں دوسروں کے راستوں پر کیوں چلوں۔ عمران پر تو بہت سے لکھنے والے لکھ ہی رہے ہیں، میں ان میں شامل ہو کر کوئی کارنامہ تو کر نہیں گزروں گا۔ یوں بھی یہ مرحوم ابن صفی کا کردار ہے، بڑوں کے لئے ہے اور کسی دوسرے کے کردار پر لکھنا مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے، بلکہ غریب سا بھی۔ اور جو چیز مجھے کچھ غریب سی لگے، اس سے میں ہمیشہ ہی کترایا کرتا ہوں۔ معاف کیجیے گا، یہاں مراد غریب لوگوں سے نہیں۔ میں خود غریب ہوں غریبوں سے کبھی کس طرح کترا سکتا ہوں۔ لیجیے، بات شروع ہوئی تھی اس ناول کی اور پہنچ گئی کہاں۔ ان باتوں میں بس یہی بُری بات ہے کہ بات بے بات کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہیں، خدا بچائے ان سے۔ آپ کو ناول پڑھنے سے چند منٹ کے لیے تو روک ہی لیتی ہیں، اب بس۔

اشتیاق احمد

عجیب بات

دروازے کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا۔ انداز انسپکٹر جمشید کا نہیں تھا۔ یوں بھی ابھی ان کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا، ابھی ساڑھے چار بجے تھے۔ ان کے آنے میں آدھ گھنٹا باقی تھا۔ محمود اور فاروق ابھی ابھی نیشنل پارک سے لوٹے تھے اور اب فرزانہ کے ساتھ صحن میں موجود تھے، جب کہ بیگم جمشید باورچی خانے میں مصروف تھیں۔

"گھنٹی بجانے والا ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے۔ اس شخص نے پہلے بھی ہمارے دروازے کی گھنٹی نہیں بجائی۔" محمود نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"جب کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ جانا پہچانا آدمی ہے۔ گھنٹی بجانے کا انداز اس نے بدل دیا ہے۔" فاروق نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، ابھی دیکھے لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھئی ذرا سنبھل کر دیکھنا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دروازے پر کوئی خوفناک دشمن موجود ہو۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اللہ مالک ہے۔ میں پوری احتیاط کروں گا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا اور دروازے کی طرف قدم اٹھا دیے۔

"اب بھلا اتنی سی بات پر مُنہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے بھی منہ بنایا۔

"تمہاری باتیں ہی اس قسم کی ہوتی ہیں۔ اچھے بھلے موڈ کا ستیا ناس ہو جاتا ہے۔ بنے بنائے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ سکون کی جگہ جھنجلاہٹ لے لیتی ہے۔ اطمینان کی جگہ، غصہ سوار ہو جاتا ہے اور خوشی کی....."

"بس بس، میری باتیں ہیں یا محکمہ موسمیات۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

اتنے میں محمود دروازہ کھول چکا تھا اور ساتھ ساتھ دروازے کی اوٹ لے چکا تھا۔

"ہائیں، دروازہ کس نے کھولا ہے؟" باہر سے کسی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہوا نے، یا پھر کسی فرشتے نے کھولا ہوگا۔" فاروق گنگنایا۔

"مم، میں۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔" پھر آواز آئی۔ اب محمود سامنے آ گیا۔ اس نے دیکھا، باہر ایک دیہاتی قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ اس کے سر پر پگڑی تھی اور قمیص شلوار کے اوپر واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔

"فرمائیے، آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"یہ انسپکٹر جمشید کا ہی گھر ہے نا؟"

"ہاں، گھر تو انہی کا ہے۔"

"تب تو میں ٹھیک جگہ پہنچا، مجھے ان سے بہت ضروری کام ہے۔"

"لیکن وہ تو اس وقت گھر میں نہیں ہیں، وہ دفتر میں ہیں، اگر آپ دفتر جائیں گے تو وہ آپ کو وہاں بھی نہیں ملیں گے، کیونکہ اس وقت تک وہ گھر کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے، لہٰذا آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ یہیں ٹھہر کر انتظار کریں۔ کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں انتظار کیے لیتا ہوں۔"

"آئیے۔" محمود نے کہا اور اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

"اگر آپ ان کے آنے سے پہلے ہمیں بتا دیں کہ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں تو اور بھی مناسب ہوگا۔"

"آپ ان کے بیٹے ہیں نا؟" وہ بولا۔

"ہاں، میرا نام محمود ہے۔"

"فاروق اور فرزانہ شاید صحن میں بیٹھے تھے۔" اس نے کہا۔

"ہاں، آپ کو تو ہم سب کے نام معلوم ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرے پاس آپ کے والد کے لیے ایک خط ہے، سرحد پار کی ایک آزاد ریاست سے آیا ہوں، مجھے وہاں کے حکمران سمندر خان نے بھیجا ہے۔ سمندر خان آپ کے والد صاحب سے اچھی طرح واقف ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کے والد بھی انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اور خط ابا جان کے نام ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"تب تو ہم اس خط کو نہیں پڑھ سکتے۔ ابا جان ہی آ کر پڑھیں گے۔ کیا سمندر خان کسی وجہ سے بہت پریشان ہیں؟"

"جی ہاں، اس قدر کہ راتوں کو سو نہیں سکتے۔"

"آخر کیوں، ایسی کیا پریشانی ہے۔"

"انہیں نہیں معلوم کہ وہ کیوں پریشان ہیں۔" اس نے کہا۔

"جی کیا مطلب، انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کیوں پریشان ہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ سمندر خان بھی جانتے ہیں کہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا، پریشانی کی وجہ معلوم نہ ہو اور آدمی پھر بھی پریشان ہو۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"یہ تو آپ بہت عجیب بات سنا رہے ہیں۔ ٹھہریے، میں ان دونوں کو بھی بلا لوں۔"

یہ کہہ کر محمود باہر نکل گیا۔ پہلے سیدھا باورچی خانے کی طرف آیا اور بولا:

"امی جان، ڈرائنگ روم میں ایک عدد مہمان موجود ہیں۔ ان کے لیے بھی چائے تیار کر دیں۔"

"وہ تو میں گھنٹی کی آواز سن کر ہی سمجھ گئی تھی اور ان کے لیے چائے بالکل تیار ہے۔ تم لے جا سکتے ہو۔"

"بھئی واہ، آخر امی کن کی ہیں۔" محمود ہنس کر بولا۔ چائے کی ٹرے اٹھائے باہر نکلا اور مہمان کے سامنے رکھ کر فاروق اور فرزانہ کے پاس آیا۔ دونوں بیٹھے بُرے بُرے منہ بنا رہے تھے۔

"اکیلے ہی ہیرو بنتے پھر رہے ہو۔ کچھ ہمیں بھی بتاؤ گے یا......"

"ہاں کیوں نہیں، لو سنو۔" اس نے کہا اور اجنبی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"سمندر خان، ابا جان کے منہ سے یہ نام بھی س...

...بڑائی۔

"چلو آج سن لینا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"آؤ چلیں، مہمان سے باتیں کریں۔ شاید ابا جان کے آنے تک ہم کچھ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔" محمود نے کہا اور تینوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ مہمان چائے اور دوسری چیزوں پر گویا روز کے بھوکوں کی طرح ٹوٹا پڑ رہا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا، ان کی امی نے ٹرے میں جو چیزیں رکھی تھیں، وہ اس کے لیے بالکل ناکافی ہیں، چنانچہ محمود جلدی سے باہر نکل گیا۔ ایسے میں اجنبی نے کہا:

"معاف کیجیے گا، میں بہت بھوکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، آپ خوب سیر ہو کر کھائیے۔" فاروق نے خوش اخلاق مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

اسی وقت محمود ایک ٹرے میں بہت سی چیزیں لے کر آ گیا۔ اس بھری پڑی ٹرے کو دیکھ کر اجنبی کھل اٹھا۔

"بھئی واہ، آپ لوگ تو بہت عقل مند ہیں۔"

محمود نے وہ ٹرے بھی پہلی ٹرے کے ساتھ رکھ دی۔ پندرہ منٹ کے اندر اس نے وہ دونوں صاف کر دیں اور مطمئن انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"خدا کا شکر ہے، جس نے میری بھوک کا انتظام کیا۔"

"ہاں تو آپ یہ کہہ رہے تھے کہ.... پہلے تو یہ بتائیے، آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں طاغوت ہوں، سمندر خان کا ایک ادنیٰ خادم، لیکن انتہائی وفادار۔ ان کے لیے ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتا ہوں۔"

"آپ کے خیال میں سمندر خان کیوں پریشان ہیں؟" فرزانہ نے

پوچھا۔

''بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں، جب کہ خود سمندر خان ہی نہیں بتا سکتے۔'' اس نے کہا۔

''کیا ریاست میں کوئی مخالف فریق بھی ہے اور وہ گڑبڑ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ریاست میں سب لوگ سمندر خان کے حامی ہیں۔ وہاں کوئی دوسری سیاسی پارٹی نہیں ہے، نہ کوئی شخص سمندر خان کی موجودگی میں حکومت کا خواہش مند رہے۔ سب لوگ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے بعد ان کا بیٹا دریا خان حکمران بنے گا۔ سب لوگ انہیں بھی بہت پسند کرتے ہیں اور سمندر خان کی موت پر کسی قسم کے ہنگامے کا کوئی امکان نہیں۔''

''تب پھر کیا سمندر خان کو دشمن ملک سے کوئی خطرہ ہے۔ دشمن ملک حملہ کرنے کا کوئی پروگرام تو نہیں بنا رہا؟''

''ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک تو آپ کا ملک ہے اور دائیں بائیں دو بڑے ملک ہمارے ساتھی ہیں، لہٰذا ہم پر حملہ کرنے کا مطلب تین ملکوں سے بیک وقت جنگ مول لینا ہے اور دشمن ملک ایسا بے وقوفی کا کام بھی نہیں کر سکتا۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا، حالات انتہائی پرسکون ہیں۔ کسی قسم کی گڑبڑ کا کوئی امکان نہیں۔''

''جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔''

''پھر آخر سمندر خان کیوں پریشان ہیں؟''

''یہی تو سب سے مشکل سوال ہے، جس کا جواب نہ میرے پاس ہے نہ

سمندر خان کے پاس۔''

''واقعی عجیب معاملہ ہے، لیکن ان حالات میں تو سمندر خان کو کسی ڈاکٹر یا ماہر نفسیات سے بات کرنی چاہیے تھی۔ ابا جان ایسے میں بھلا کیا کر سکیں گے؟'' فرزانہ بولی۔

''ان کا کہنا ہے، ان کی پریشانی کی وجہ اگر کوئی جان سکتا ہے تو آپ کے والد، ورنہ کوئی نہیں۔''

''اللہ رحم فرمائے۔ اس سے عجیب معاملہ شاید ہمیں پہلے کبھی پیش نہیں آیا ہوگا۔''

''ہماری ریاست میں بھی کبھی کوئی اتنا عجیب واقعہ پیش نہیں آیا۔''

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ فرزانہ نے چونک کر کہا۔

''لیجیے، ابا جان آگئے۔'' ساتھ ہی محمود کمرے سے نکل گیا اور پھر انسپکٹر جمشید کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے سے گزرتے ہی انسپکٹر جمشید بولے:

''اوہو، طاغوت یہ تم ہو؟''

''حیرت ہے، آپ نے مجھے پہچان لیا۔''

''کیوں نہیں، سمندر خان سے پہلی ملاقات کے دوران تم ہی تو میری خدمت پر مامور کیے گئے تھے۔''

''آپ کی یاد داشت بہت اچھی ہے۔ یہ تیرہ چودہ سال پہلے کی بات ہے۔''

''ہاں، مجھے یاد ہے۔'' پھر چونک کر بولے:

''کیا سمندر خان کسی پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں؟''

”جی ہاں، یہی بات ہے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک خط بھیجا ہے۔“

”ٹھیک ہے، خط مجھے دے دو۔“

طاغوت نے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح اچھلا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے، پھر وہ کپکپاتی آواز میں بولا:

”اُف خدا، خط تو غائب ہے۔“

”خط غائب ہے۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”جی ہاں۔“ طاغوت کی آواز میں لرزش تھی، پھر وہ تڑپ کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

”ارے ارے۔“ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے، پھر طاغوت پر جھکے۔ اسے فرش سے اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا۔ محمود دوڑ کر پانی کا گلاس لے آیا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے، تب کہیں جا کر وہ ہوش میں آیا۔

”طاغوت، اگر خط غائب ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سمندر خان تو ریاست میں موجود ہیں۔ ہم ان سے مل کر معلوم کر لیں گے کہ انہوں نے خط میں کیا لکھا تھا، تاہم پہلے تو اپنی جیبوں کی اچھی طرح تلاشی لے لو۔“

اس نے اٹھ کر تمام جیبوں کو دیکھا۔ آخر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا:

”جی نہیں، خط کہیں بھی نہیں ہے۔“

”چلو خیر کوئی بات نہیں۔ تم زبانی جو کچھ بتا سکتے ہو بتا دو۔“ وہ بولے۔

”جی بہتر۔“ اس نے کہا اور وہی سب باتیں دہرا دیں جو انہیں سنا چکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی انسپکٹر جمشید کتنی ہی دیر سوچ میں ڈوبے رہے، آخر بولے:

”اگر انہیں پریشانی کی وجہ معلوم ہی نہیں تھی تو پھر انہوں نے خط میں بھی کیا

لکھا ہو گا۔ بس یہی کچھ لکھا ہو گا جو تم نے بتایا ہے، لیکن اگر بات اتنی سی ہوتی تو پھر کسی کو خط چرانے کی کیا ضرورت تھی؟ طاغوت، ریاست سے یہاں تک کے سفر کی کہانی سناؤ، تا کہ اندازہ لگایا جا سکے، خط کس وقت چرایا گیا۔“

”جی بہتر۔ رات گیارہ بجے کے قریب سمندر خان نے مجھے طلب کیا اور وہ خط دیتے ہوئے ہدایات دیں کہ یہ آپ تک پہنچا دوں۔ میں نے خط لے کر اندرونی جیب میں رکھا۔ سرحد پار کرنے کا اجازت نامہ لیا اور اپنی گاڑی میں روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ سرحد تک پہنچ گیا۔ سرحد پر میرا اجازت نامہ دیکھا گیا، میری تلاشی لی گئی اور پھر مجھے ادھر آنے کی اجازت مل گئی۔ میں اپنی جیپ میں ہی آپ کے گھر تک پہنچا اور بس۔“

”گویا تلاشی لینے والے کے علاوہ کسی نے تمہارے جسم کو چھوا تک نہیں۔“

”جی نہیں۔“

”تلاشی کے دوران خط بھی تو اس کے ہاتھ لگا ہو گا۔“

”جی ہاں، میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ خط آپ کے لیے سمندر خان کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے خط واپس اسی جیب میں رکھ دیا اور میں جیپ میں بیٹھ کر ادھر کے لیے روانہ ہوا۔“

”راستے میں تم نے کسی کو لفٹ تو نہیں دی؟“

”جی نہیں۔“ وہ بولا۔

”جیپ کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا اور اس حادثے کے نتیجے میں کچھ لوگ تمہارے نزدیک تو نہیں آئے؟“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔“

”تب پھر خط کہاں جا سکتا ہے۔ یہ تو ناممکن سی بات ہے۔ فوجیوں پر شک

کرنا عجیب سا لگتا ہے۔ خیر ہم ان سے بھی بات کریں گے اور اب سمندر خان سے ملے بغیر کسی نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکتا، لہٰذا ہم صبح سویرے تمہارے ساتھ چلیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" طاغوت نے خوش ہو کر کہا۔

"طاغوت، میرے ایک سوال کا جواب پوری ایمانداری سے دو۔"

"جی کیا مطلب، کیا آپ کے خیال میں آپ کو [illegible] بے ایمانی سے جواب دیتا رہا ہوں؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ جملہ بس یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔ ہاں تو بتاؤ، کہیں سمندر خان کا بیٹا دریا خان تو باپ کے خلاف کوئی چکر نہیں چلا رہا؟"

"جی نہیں، انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بے شمار اختیارات ان کے پاس ہیں اور سمندر خان ان سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ انتظامی کمیٹی دریا خان کو سمندر خان سے کسی طرح کم نہیں سمجھتی۔ ان حالات میں بھلا انہیں کیا ضرورت ہے کہ باپ کے خلاف کوئی سازش کریں۔"

"لیکن اس کے باوجود سازش کی جا رہی ہے۔ خط کا گم ہو جانا اس بات کا بہت بڑا ثبوت ہے۔"

"جی نہیں، ریاست میں دور دور تک کسی سازش کا امکان نہیں، ہر طرف امن کا دور دورہ ہے۔ کوئی شخص بھی سمندر خان کے خلاف نہیں۔" طاغوت نے انکار میں سر ہلایا۔

"تب پھر تم ہی کہو۔ خط کس نے چرایا؟"

"مجھے اس پر بہت حیرت ہے، اتنی ہی جتنی کہ سمندر خان کو اپنی پریشانی پر حیرت ہے۔"

رات کا کھانا کھانے اور نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ سونے

کے لیے لیٹ گئے۔ مہمان کے لیے محمود اور فاروق کے ساتھ والا کمرہ درست کر دیا گیا تھا۔ اچانک محمود کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ سوچے سمجھے بغیر وہ بستر سے اٹھا اور کمرے سے نکل آیا۔ اس کے قدم مہمان کے دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ دروازہ بند تھا۔ چکر کاٹ کر وہ کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے اندر جھانکا اور دم بخود رہ گیا، پھر تیزی سے مڑا اور اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ فاروق کو جھنجھوڑ کر اٹھایا اور اسے بھی مہمان کے کمرے کی کھڑکی تک لایا۔ فاروق نے اندر کا منظر دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ اب محمود فرزانہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فرزانہ کو جگا کر لایا۔

"وہ بھی اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئی، پھر اس نے سرگوشی کی:

"محمود، ابا جان کو بلا لاؤ۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے کہا اور دبے پاؤں واپس چلا گیا۔ فاروق اور فرزانہ وہیں کھڑے اندر دیکھتے رہ گئے۔ تھوڑی دیر تک انسپکٹر جمشید کھڑکی تک پہنچے۔ انہوں نے بھی حیران ہو کر اندر کا منظر دیکھا، آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

طاغوت کمرے کے فرش کے بیچوں بیچ سر کے بل کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل بند تھیں اور سانس لینے کی آواز سے صاف ظاہر تھا، وہ گہری نیند سو رہا ہے، لیکن کسی کو گہری نیند کے عالم میں سر کے بل کھڑے انہوں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حیرت کے بت بن کر رہ گئے تھے۔

اور پھر انسپکٹر جمشید کے جسم میں حرکت ہوئی۔

☆☆☆

کیا؟

وہ کھڑکی کو پھلانگ کر اندر پہنچے اور دبی آواز میں بولے:

"طاغوت۔"

لیکن طاغوت کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اب انہوں نے پہلے کی نسبت بلند آواز میں پکارا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا، آخر انہوں نے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر ہلا دی۔

طاغوت کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ دھڑام سے فرش پر گرا۔ ساتھ ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے تک کھوئے کھوئے انداز میں ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں باتیں کرتا ہے۔

"مم، میں فرش پر کس طرح پہنچا۔ آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کیا تم ہوش میں ہو طاغوت؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو اور کیا آپ کے خیال میں میں بے ہوش ہوں۔ آخر بات کیا ہے؟"

"کیا تمہیں نیند میں چلنے کی عادت ہے؟"

"نیند میں چلنے کی...... نہیں تو...... کیوں؟"

"تم ابھی تھوڑی دیر پہلے نیند کی حالت میں سر کے بل کھڑے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا فرمایا، میں سر کے بل کھڑا تھا؟" اس نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے۔ کیا پہلے بھی کسی نے تمہیں نیند کی حالت میں سر کے بل کھڑے دیکھا ہے؟"

"نن، نہیں۔" وہ کانپ کر بولا۔

"جاگتی حالت میں کیا تم سر کے بل کھڑے ہو سکتے ہو؟"

"نن، نہیں۔ میں نے یہ کوشش کبھی نہیں کی۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اچھا تو طاغوت، ذرا سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش تو کر کے دکھاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"میں نے کہا، سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کر کے دکھاؤ۔" وہ بولے۔

"لیکن جناب، مجھے آتا ہی نہیں تو کھڑا کس طرح ہو سکوں گا۔"

"بھئی تم کوشش تو کرو۔" انسپکٹر جمشید جھنجھلا اٹھے۔

اس نے پہلے تو انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا، پھر سر نیچے لگا کر اوپر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جونہی اس کی ٹانگیں تھوڑی سی اوپر اٹھیں۔ وہ فرش پر لڑھک گیا۔

"نہیں بنتا۔" اس نے مایوس ہو کر کہا۔

"پھر کوشش کرو۔" وہ بولے۔

اس نے کئی بار کوشش کی اور ہر بار ناکام رہا۔ آخر ہانپنے لگا انسپکٹر جمشید بولے:

"بس رہنے دو۔ اب آرام کرو۔"

وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ بیٹھے۔ چاروں بالکل چپ تھے۔

"ہم نے چپ کا روزہ تو نہیں رکھ لیا۔" فاروق نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا یہ کوئی پریشان کن بات ہے ابا جان۔" فرزانہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہے بھی اور نہیں بھی۔ طاغوت کو سر کے بل کھڑا ہونا نہیں آتا۔ پر وہ نیند میں سر کے بل کس طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ نیند کی حالت میں وہ بہت دیر تک کھڑا رہا، لیکن ہوش میں آنے پر کوشش کر کے تھک گیا۔ دوسری عجیب بات یہ کہ خط کس طرح غائب ہو گیا۔ سرحد کے علاوہ کوئی اس کے نزدیک بھی نہیں آیا۔ فوجیوں کو وہ خط اڑا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی، کیونکہ طاغوت کے پاس سرحد پار کرنے کا خصوصی اجازت نامہ ہے۔ تیسری عجیب بات یہ کہ سمندر خان بہت پریشان ہے، لیکن پریشانی کی وجہ نہیں جانتا، آخر کیوں؟ یہ سب عجیب باتیں مل کر مجھے بھی پریشان کر رہی ہیں۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"خدا اپنا رحم فرمائے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ریاست میں حالات پرسکون ہیں۔ سمندر خان کا بیٹا سازش کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ریاست میں کوئی مخالف پارٹی نہیں ہے۔ دشمن ملک ریاست پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر آخر سمندر خان کو کیا پریشانی ہے اور وہ اپنی پریشانی کی وضاحت کیوں نہیں کر سکتا۔ اس نے خط میں کیا لکھا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"ان سب باتوں کا جواب ہمیں سمندر خان سے مل کر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ خیر اب آرام کرنا چاہیے۔"

دوسری صبح وہ طاغوت کی جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ سرحد پر عین اسی جگہ انہیں روکا گیا، جہاں کل طاغوت کو روکا گیا تھا لیکن جب انسپکٹر جمشید نے اپنا تعارف کرایا، فوجی اٹین شن نظر آنے لگے، کیونکہ انہیں اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھانا پڑا تھا۔

"کل آپ میں سے کس نے ان صاحب کی تلاشی لی تھی۔" انہوں نے طاغوت کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

"جی میں نے۔" ایک آفیسر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیا ان کی جیب سے کوئی قابل اعتراض چیز نکلی تھی؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"ان کی جیب میں ایک خط بھی تھا اور وہ خط میرے لیے تھا۔"

"جی ہاں، میں نے خط دیکھا تھا۔ لفافے پر آپ کا نام لکھا تھا۔ اس لیے میں نے خط پھر ان کی جیب میں رکھ دیا تھا۔" فوجی نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

"کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔ آپ نے ان کی جیب میں رکھ دیا تھا۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں بالکل، یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن جب یہ میرے پاس پہنچے تو وہ خط ان کی جیب سے نہیں نکلا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب؟" فوجی چونک کر بولا۔

"کہیں ایسا تو نہیں، خط کہیں گرا ہوا اور ان کے جانے کے بعد آپ کی اس پر نظر پڑی ہو۔"

"جی نہیں، ہمیں یہاں سے کوئی خطرہ نہیں ملا۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اچھی بات ہے، چلو بھی طاغوت خان۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اور ان کی جیپ آگے بڑھ گئی۔

سرحد پار کرتے ہی پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کی جیپ اونچے نیچے راستوں پر ڈگمگاتی چیونٹی کی رفتار سے آگے بڑھنے لگی۔

"اس سے تو پیدل چلنا بہتر ہے۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"لیکن آگے چل کر پھر جیپ کی ضرورت پڑے گی۔" طاغوت بولا۔

اچانک فرزانہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک سریلی سی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی تھی۔

"مم، میں ایک بین کی آواز سن رہی ہوں، بہت ہی دل کش آواز۔"

"ہاں، میرے کانوں میں بھی آ رہی ہے۔" طاغوت بڑبڑایا۔

"پھر تو نمبر دو کان تمہارے ہوئے۔" فاروق بول اٹھا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"سب سے تیز کان ہمارے درمیان فرزانہ کے ہیں۔ اس کے بعد چونکہ آپ نے بین کی آواز سنی ہے۔ اس لیے دوسرے نمبر پر آپ کے کان تیز ہیں۔"

اور پھر ان کے کانوں میں بھی بین کی آواز گونجنے لگی۔ واقعی بہت سریلی آواز تھی۔

"شاید کوئی بہت ہی ماہر سپیرا ہے!" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں۔" طاغوت کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

اچانک جیپ ایک سمت میں مڑ گئی۔

"کیا تم نے جیپ کو غلط سمت میں تو نہیں موڑ دیا طاغوت۔" انسپکٹر جمشید

چونک کر بولے۔

"جی نہیں، نہیں تو۔" اس نے کہا۔

"اوہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں تو تیرہ چودہ سال بعد ادھر آ رہا ہوں۔ راستے بدل چکے ہوں گے۔"

"جی نہیں، سرحدی راستے تو بالکل وہی ہیں۔" طاغوت نے کہا۔

"اگر سرحدی راستے بالکل وہی ہیں تو پھر تم نے جیپ ضرور غلط طرف موڑ دی ہے۔"

"معاف کیجیے گا، میں بین کی آواز کو ذرا قریب سے سننے کی شدید خواہش محسوس کر رہا ہوں۔ اس سے زیادہ سریلی بین میں نے پہلے کبھی نہیں سنی، ویسے میں بین کی آواز کا بہت شوقین ہوں۔"

"نہیں طاغوت، ہمیں اپنے راستے پر چلنا ہے۔" اس قسم کی چیزیں انسان کا وقت ضائع کرتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ بولا۔

"اور پھر مذہب کی رو سے بھی یہ چیزیں درست نہیں۔"

"جی، جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"آپ ہاں بھی کہہ رہے ہیں اور رخ پھر بھی نہیں موڑ رہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"ارے، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، لیجیے، ابھی موڑ دیتا ہوں۔"

اس نے رخ موڑنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے ہاتھ کانپ کر رہ گئے۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھوں میں خوف دوڑ گیا اور جیپ کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ وہ کبھی دائیں طرف جھکنے لگے اور کبھی بائیں طرف۔ یوں لگتا تھا، جیسے طاغوت ہوش و حواس

کھو بیٹھا ہو۔

''طاغوت، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جیپ کو سنبھالو۔ تیز نہ چلاؤ اور درست راستے پر لے آؤ۔''

طاغوت نے جیسے ان کے الفاظ سنے ہی نہیں۔ جیپ کی رفتار ذرا بھی کم نہ ہوئی۔ ہچکولے اور تیز ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید نے طاغوت کو گھور کر دیکھا، پھر اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہہ سکتے۔ انہیں سامنے سڑک پر سپیروں کا ایک گروہ نظر آ گیا۔ ان میں دو جھوم جھوم کر بین بجا رہے تھے اور باقی سر کے بالوں کو جھٹک جھٹک کر ناچ رہے تھے۔ درمیان میں جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ اتنے میں جیپ ان کے بالکل نزدیک پہنچ کر رک گئی۔ طاغوت چھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا اور سپیروں کے ساتھ ناچ میں شریک ہو گیا۔ اب انہوں نے دیکھا، درمیانی جگہ میں چار بھنیئر سانپ پھن اٹھائے جھوم رہے تھے۔

''یہ یہ طاغوت کو کیا ہو گیا ہے ابا جان؟''

''شاید بین کی آواز اس پر اثر انداز ہو گئی ہے۔ یہ بے خود ہو گیا ہے۔ ابھی جب بین کی آواز رکے گی تو ہوش میں آ جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں سمندر خان سے کہہ دوں گا کہ اب طاغوت سے خاص کام نہ لیا جائے۔ اسے اب اپنے حواس پر قابو نہیں رہا۔'' انہوں نے کہا اور سپیروں کی طرف دیکھنے لگے۔

رفتہ رفتہ بین کی آواز ان پر بھی اثر کرنے لگی۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ نیند کی وادی میں اترتے چلے جا رہے ہوں۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے اپنے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا، پھر تیزی سے اٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آئے اور گاڑی پیچھے ہٹانے لگے، پھر مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی واپس موڑی اور تیز رفتار پر چھوڑ دی۔ بین کی آواز مدھم ہوتے ہی جیسے محمود، فاروق اور فرزانہ ہوش میں آ گئے۔

''ابا جان یہ کیا، ہم تو طاغوت کو ان لوگوں میں ہی چھوڑ آئے ہیں۔'' فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

''پروا نہ کرو، آ جائے گا خود ہی۔'' انہوں نے کہا۔

''کمال کی آواز تھی۔ ہمیں بھی نیند آنے لگی تھی۔'' محمود بڑبڑایا۔

''ہاں واقعی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

دس منٹ کے ناہموار سفر کے بعد وہ پکی سڑک پر پہنچ گئے، ساتھ ہی جیپ کی رفتار بڑھ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد ایک چیک پوسٹ پر روک لیا گیا۔

''آپ لوگ کون ہیں، کہاں سے آ رہے ہیں؟''

''کیا آپ کو ہدایات نہیں ملیں۔ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے اور سمندر خان نے ہمیں بلایا ہے۔''

''ہدایات ضرور ملی تھیں، لیکن آپ کے ساتھ طاغوت خان کو ہونا چاہیے تھا۔'' نگران نے کہا۔

''وہ ہمارا وقت ضائع کرنے پر تل گیا تھا۔ اسے راستے میں ہی چھوڑ کر ہمیں آنا پڑا۔''

''یہ تو بہت غلط بات ہو گئی۔'' اس نے کہا۔

''کیا غلط بات ہو گئی؟'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

''طاغوت ہی اس بات کی گواہی دے سکتا ہے کہ آپ لوگ وہی ہیں جنہیں بلایا گیا ہے۔''

''تب پھر ہم کیا کریں، آپ ہمیں سمندر خان تک پہنچا دیں۔ آپ کو خود ہی بتا دیں گے کہ ہم وہ ہیں یا کوئی اور۔'' انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

''افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیسا نہیں کر سکتے۔"

"میں آپ کو سمندر خان تک لے جا تو سکتا ہوں، لیکن گرفتار کر کے، آزاد حیثیت میں ہرگز نہیں۔ ہاں طاغوت آپ کے ساتھ ہوتا تو اور بات تھی۔"

"تب پھر ہم واپس جا کر طاغوت کو لے آتے ہیں۔"

"اب یہ بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہو سکتا ہے، آپ لوگ غلط ہوں اور فرار ہو جائیں۔"

"اچھا بھائی، تم ہمیں گرفتار ہی کر لو اور پہنچا دو سمندر خان تک۔" انسپکٹر جمشید تلملا کر بولے۔

اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

"بھئی واہ، کسے معلوم تھا، یہاں ہمارے ساتھ اس قدر شاہانہ سلوک کیا جائے گا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"آپ کو طاغوت خان کو ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔" نگران نے کہا۔

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ وہ خود ہی جیپ سے اتر کر سپیروں کے پاس چلا گیا تھا اور جا کر ان کے ساتھ ناچنے لگ گیا تھا آخر ہم کب تک اس کی واپسی کا انتظار کرتے۔"

"آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں۔ شناخت کے بغیر میں آپ کو کس طرح ریاست میں داخل ہونے دوں۔"

"میں اپنے کاغذات دکھائے دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ جعلی بھی ہو سکتے ہیں۔"

"اچھا بابا، چلو۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

اور انہیں ایک بند گاڑی میں سوار کیا گیا۔ اس طرح کہ چار مسلح نگران ان

کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے، پھر گاڑی چل پڑی۔ دیواروں میں جالیاں یا شیشے وغیرہ نہیں تھے۔ اس لیے وہ باہر کا کوئی منظر بھی نہ دیکھ سکے۔ آخر آدھ گھنٹے بعد گاڑی رک گئی اور پچھلا حصہ کھولا گیا۔

"نیچے اتر آیئے۔" نگران کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

نیچے اتر کر انہوں نے دیکھا، وہ ایک عالی شان محل کے سامنے کھڑے تھے۔ نگران انہیں وہیں چھوڑ کر خود دروازے پر چلا گیا اور محل کے نگرانوں سے بات کرتا رہا۔ آخر پانچ منٹ بعد وہ ان کے پاس آیا۔

"چلیے جناب۔"

اب وہ اس کے ساتھ محل میں داخل ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا اس قسم کا استقبال ہو سکتا ہے۔

مختلف راستوں سے گزرتے وہ ایک کمرے تک پہنچے۔ یہاں ننگی تلواروں والے پہرے دار کھڑے تھے۔ نگران نے ان سے کچھ کہا اور انہوں نے اندر داخل ہونے کا اشارہ کر دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر کا منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ کمرے کا منظر پرانے زمانے کے بادشاہوں جیسا تھا۔ ایک تخت پر ایک نوجوان نیم دراز تھا اور ننگی تلواروں والے نگران کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔

"یہ کون لوگ ہیں ابرار خان؟" نوجوان نے پوچھا۔

"جناب، ان کا کہنا ہے، یہ پڑوسی ملک سے بلائے گئے ہیں۔ طاغوت خان انہیں لینے کے لیے گیا تھا، لیکن طاغوت خان ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس لیے انہیں گرفتار کر کے لانا پڑا۔"

''یہ لوگ اپنے کیا نام بتاتے ہیں؟''

''انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ۔''

''ہوں، بابا جان نے ان لوگوں کو واقعی بلوایا تھا، لیکن ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ وہی لوگ ہیں۔'' نوجوان نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ دریا خان ہیں؟''

''ہاں، میں دریا خان ہوں۔''

''تو پھر ہمیں سمندر خان سے ملا دیں۔ آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہم اصلی ہیں یا نقلی۔'' فاروق نے جل کر کہا۔

''آپ لوگ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ اس کے بعد آپ سے بات کروں گا۔ ارے ہاں، سوال تو یہ ہے کہ طاغوت خان کہاں ہے؟''

''اس کا کوئی پتا نہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے، وہ سپیروں کے ایک گروہ کے ساتھ ناچنے لگ گیا تھا۔ یہ اسے ناچتا چھوڑ کر چلے آئے۔''

''اوہ، تب تو اس کی تلاش بہت ضروری ہو گئی ہے۔ اسے ہر طرف تلاش کیا جائے۔''

''بہت بہتر۔'' اس نے کہا۔

انہیں ایک الگ کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ ایک گھنٹے کے صبر آزما انتظار کے بعد انہیں ایک اور کمرے میں لے جایا گیا۔ یہ دریا خان کے آرام کا کمرہ تھا۔ ان پر نظر پڑتے ہی وہ بولا:

''مجھے افسوس ہے، آپ لوگوں کو اس حالت میں رکھا جا رہا ہے، لیکن میں مجبور ہوں۔ کر ہی کیا سکتا ہوں۔ ریاست کے حالات، بجائی عجیب ہیں۔''

''مسٹر دریا خان، آپ عجیب آدمی ہیں۔ اس کا سیدھا سادا طریقہ یہ ہے

کہ آپ ہمیں سمندر خان سے ملا دیں۔''

''یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔ ابا جان رات سے غائب ہیں۔''

''کیا؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆

بے چارہ غار

"جی ہاں، رات وہ اپنے کمرے میں سونے کے لیے گئے تھے، صبح کمرے میں موجود نہیں تھے۔ کمرے کے دروازے کھلے پائے گئے۔ بستر پر شکنیں بھی موجود تھیں، جس کا مطلب ہے، وہ سوئے ضرور تھے، لیکن اغوا کے آثار نہیں پائے گئے۔ کمرے کی کوئی چیز بے ترتیب نہیں ملی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، گویا انہیں زبردستی نہیں لے جایا گیا اور زبردستی لے جایا بھی کس طرح جا سکتا تھا، دروازے پر موجود نگرانوں نے کسی کو نہ تو اندر داخل ہوتے دیکھا نہ باہر نکلتے، نہ ہی وہ کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دے سکتے تھے۔ ان حالات میں میں چکرا رہا ہوں۔ ابھی تک میں نے ان کی گمشدگی کو راز میں رکھا ہوا ہے۔ لوگوں کو صرف یہ معلوم ہے کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ اسی لیے معاملات آج میں نے نمٹائے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں۔ میں آپ لوگوں کو ان سے کس طرح ملوا سکتا ہوں، نہ ہی آپ لوگوں کو ان سے کسی طرح ملوا سکتا ہوں نہ ہی آپ لوگوں کو رہا کر سکتا ہوں، جب تک یہ یقین آ جائے کہ آپ لوگ وہی ہیں، جنہیں بابا جان بلانا چاہتے تھے۔"

"تیرہ چودہ سال پہلے آپ ایک چھ سالہ بچے تھے، اس وقت بھی میں یہاں آیا تھا۔ اس وقت دشمن ملک نے آپ کے بابا جان کے لیے ایک سنگین مسئلہ پیدا

کر دیا تھا۔ یہ میں تھا جس نے انہیں اس مسئلے سے نجات دلائی تھی۔ اگر آپ کہیں تو اس وقت کی تمام باتیں سنا دوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ ان باتوں سے نہ جانے کتنے لوگ واقف ہوں گے۔"

"گویا ہمیں اسی طرح حراست میں رہنا ہوگا؟"

"ہاں، جب تک طاغوت خان نہیں مل جاتا، یا پھر بابا جان واپس نہیں آ جاتے۔"

"ہمیں سمندر خان نے بلاوجہ نہیں بلوایا تھا۔ اگر ہمیں آزاد کر دیا گیا تو ان کی گمشدگی کے معاملے میں ہم بہت مددگار ثابت ہو سکتے ہیں، لیکن آپ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ کا جو جی چاہے کریں۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

دریا خان نے تالی بجائی۔ چار نگران اندر داخل ہوئے۔

"انہیں محل کی حوالات میں بند کر دو۔ جوں ہی طاغوت کو محل میں لایا جائے، مجھے اطلاع دی جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔" نگران نے کہا، پھر ان کی طرف مڑے۔

"چلو بھئی۔"

"چلو۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"مجھے بہت افسوس ہے، آپ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ اب معلوم نہیں، آپ اس سلوک کے حق دار ہیں یا نہیں۔" دریا خان نے کہا۔

"پروا نہیں۔ ہمیں قید میں رکھ کر آپ لوگ ہی نقصان میں رہیں گے۔" محمود نے کہا۔

اور انہیں کمرے سے باہر لے آیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تنگ سی کوٹھری
میں بیٹھے تھے۔

''ابا جان، یہ کیا ہوا؟'' فاروق نے منہ بنایا۔

''چلو ایک تجربہ ہی سہی۔'' وہ مسکرائے۔

''کاش، آپ طاغوت کو وہاں چھوڑ کر نہ آتے۔ اس وقت ہمارے ساتھ
یہ سلوک نہ ہو رہا ہوتا۔'' فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

''ہوں، شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔'' وہ بولے۔

''مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ طاغوت کو ہو کیا گیا تھا۔ جیپ چھوڑ کر
ان کے ساتھ ناچ میں شامل ہو گیا۔'' محمود نے کہا۔

''بین کی آواز شاید اسے بہت پسند ہے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''لیکن ابا جان، اگر طاغوت نہ ملا تو کیا ہم اس ریاست کے قیدی بن کر رہ
جائیں گے؟''

''نہیں، اس قید سے نکلنے کی بھی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔'' وہ
بولے۔

''اور سب سے عجیب بات یہ کہ سمندر خان کہاں چلے گئے۔ اوہ.....''
فرزانہ چونک اٹھی۔

''یہ اوہ کس خوشی میں؟'' فاروق نے اسے گھورا۔

''کہیں سب چکر سمندر خان کے بیٹے دریا خان کا تو نہیں چلایا ہوا۔ شاید
بات صرف اتنی سی ہو کہ وہ حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا ہو، لہٰذا اس نے ہی اپنے باپ کو
غائب کر دیا ہو اور اسی لیے ہمیں قید خانے میں ڈال دیا ہو، تاکہ ہم اس کی سازش کو
بھانپ نہ سکیں۔'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''ہاں، اس کا بھی امکان ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

''پھر تو اس قید خانے سے نکلنا بہت مشکل ثابت ہوگا۔'' محمود گھبرا گیا۔

''اللہ پر بھروسا رکھو۔ ہم یہاں کسی برے ارادے سے آئے نہیں، ہمیں تو
بلایا گیا تھا۔''

''لیکن جس نے بلایا تھا، اس کا کوئی پتا نہیں۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ
پریشان کس سلسلے میں تھے۔'' فاروق بولا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ پرسکون رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

عین اسی وقت ایک نگران کوٹھڑی کی طرف آتا نظر آیا۔ وہ اس کی طرف
دیکھنے لگے۔ نگران دروازے پر آ کر تالا کھولنے لگا۔

''کیا ارادہ ہے بھئی؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''تم لوگوں کو دریا خان یاد کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''خیر تو ہے، ابھی ابھی تو ہم دریا خان کے پاس موجود تھے۔''

''ٹھیک ہے، اب پھر وہ تم لوگوں کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''اچھا۔'' انہوں نے کندھے اچکا دیے۔

جلد ہی وہ دریا خان کے سامنے کھڑے تھے اور دریا خان ان کی طرف بغور
دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی کوئی چیز تو گم نہیں ہو گئی۔'' فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''آپ ہمارے چہروں کی طرف کچھ اس طرح دیکھ رہے ہیں، جیسے کسی
چیز کی تلاش ہو۔''

''میں تم لوگوں کو ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔''

"اوہو، تو کیا سمندر خان مل گئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

"نہیں، ان کی تلاش ہر طرف جاری ہے، ہاں طاغوت ضرور مل گیا ہے۔"

"اوہ، وہ کہاں ہے؟" محمود بے چین ہو کر بولا۔

"وہ بہت بُری حالت میں ملا ہے۔ نشے میں دھت تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ ایک پہاڑی کے نیچے بے ہوش پڑا تھا۔ سمندر خان کی تلاش میں نکلی ہوئی ایک پارٹی کو نظر آ گیا اور وہ اسے اٹھا کر محل میں لے آئی۔"

"تو پھر اسے ہمارے سامنے لائیے، ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ ہم وہی ہیں یا نہیں، جنہیں آپ کے والد نے بلایا ہے۔"

"اسی لیے تو تم لوگوں کو بلایا ہے۔ طاغوت کو نہلا دھلا کر اور صاف ستھرے کپڑے پہنا کر سامنے لایا جائے گا۔ شاید چند منٹ اور لگ جائیں۔ اس لیے تم لوگ کرسیوں پر بیٹھ سکتے ہو۔"

"شکریہ مہربانی کہ آپ کو اس بات کا خیال آیا۔ ہم کرسیوں پر بھی بیٹھ سکتے ہیں۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"مجھ پر تاؤ کھانا بے کار ہے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر رہا۔ اگر طاغوت نے تصدیق کر دی تو پھر میری مہمان نوازی بھی دیکھ ہی لو گے، لیکن جب تک تم لوگ شک سے بری نہیں ہو جاتے، میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہی ہماری ریاست کا قانون ہے۔"

"ہم نے اس وقت تک آپ کی ریاست کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا، لہٰذا آپ ہمیں سرحد تک پہنچا دیں، ہم واپس چلے جاتے ہیں۔ آپ اپنے معاملات خود ہی نمٹاتے رہیے گا اور اب اگر سمندر خان نے بلایا بھی تو نہیں آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے بھی تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"افسوس میں ایسا بھی نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں کے بارے میں جب تک پوری چھان بین نہیں کر لی جائے گی۔ آزاد نہیں کیے جاؤ گے۔"

"اچھا کوئی بات نہیں۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز گونج اٹھی، پھر طاغوت چار آدمیوں کے حلقے میں آتا نظر آیا۔ دریا خان پر نظر پڑتے ہی اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"کیوں او نمک حرام، بابا جان نے تمہیں کس کام کے لیے بھیجا تھا؟"

"انہوں نے مجھے سرحد پار دوست ملک میں بھیجا تھا۔ وہاں سے انسپکٹر جمشید کو ساتھ لے کر یہاں آنا تھا۔" اس نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

"پھر تم نے یہ کام کیا؟"

"نن، نہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ میں راستے میں ہی غلط لوگوں میں پھنس گیا۔ انہوں مجھے نشہ آور چیزیں کھلا دیں اور میں وہاں نہ جانے کتنے دن بے ہوش رہا، پھر آپ کے سپاہی مجھے اٹھا کر یہاں لائے۔"

"تو تم سرحد پار دوست ملک میں گئے ہی نہیں؟"

"بالکل نہیں، اور میں اس کے لیے معافی چاہتا ہوں، اس میں میرا کوئی قصور نہیں جتنا ان سپیروں کا۔ ان کی بین کی آواز نے مجھ پر جادو کا اثر کیا اور میں اس آواز کے جال میں پھنس گیا۔"

"سپیروں کا کام ہی بین بجانا اور سانپ پکڑنا ہے۔ یہ غلطی سراسر تمہاری ہے۔ خیر اب خاموش رہو" یہ کہہ کر دریا خان ان کی طرف مڑا:

"اب تم لوگ کیا کہتے ہو؟"

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ انہیں طاغوت کے منہ سے یہ جواب سننے کی امید ایک فی صد بھی نہیں تھی، لہٰذا

انسپکٹر جمشید بولے:

"ہمیں اس سے بات کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"اجازت ہے۔"

"مسٹر طاغوت، ہماری طرف دیکھیے۔" انہوں نے تیز آواز میں کہا۔

طاغوت نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ چہرے پر حیرت کے آثار کے بجائے الجھن سی نظر آئی۔

"کیا بات ہے، آپ لوگ کون ہیں؟" اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ یہ میرے بچے محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ تم سرحد پار کر کے میرے ہاں پہنچے تھے۔ تم میرے لیے سمندر خان کی طرف سے ایک خط بھی لے کر آئے تھے، لیکن جب تم میرے گھر پہنچے تو خط تمہاری جیب سے غائب ہو چکا تھا۔ خیر، تم نے سمندر خان کا پیغام سنایا کہ وہ ہمیں یہاں بلانا چاہتے ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ روانہ ہوئے۔ سرحد پار کرتے ہی تمہارے کانوں نے بین کی آواز سنی اور جیپ کا رخ موڑ دیا۔ ہم نے ٹوکا بھی، لیکن تم پر بین کی آواز کا اثر بہت زیادہ تھا، لہٰذا تم سپیروں کے گروہ تک پہنچ گئے۔ ان میں سے دو بین بجا رہے تھے، باقی ناچ رہے تھے، لہٰذا تم بھی ان کے ناچ میں شامل ہو گئے۔ ہم تنگ آ کر ادھر چلے آئے، لیکن اب تم کہتے ہو کہ سرحد پار گئے ہی نہیں۔ یہ کیا بات ہوئی۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"میں محل سے روانہ ہو کر سرحد کے نزدیک ضرور پہنچ گیا تھا، لیکن بین کی آواز نے مجھے گھیر لیا۔ سرحد پار تو میں جا ہی نہیں سکا۔" اس نے کہا۔

"یا تو تم جھوٹ بول رہے ہو یا پھر نشہ آور دواؤں کا اثر تمہارے دماغ پر سوار ہے۔ دریا خان، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ طاغوت کا دماغی معائنہ

کرایا جائے۔ یہ مجھے اپنے ہوش میں نہیں لگتا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ہوش میں نہیں ہے تو اتنی باتیں کس طرح بتا سکتا ہے۔" دریا خان نے منہ بنایا۔

"معائنہ کرانے میں کیا حرج ہے؟" انسپکٹر جمشید نے بھی منہ بنایا۔

"میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

"تب پھر ہمیں واپس جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ہم اس معاملے سے ہی الگ ہو جاتے ہیں۔" وہ جھلا کر بولے۔

"نہیں، تم لوگ ہماری ریاست میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو، لہٰذا تم پر مقدمہ چلایا جائے گا۔" اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر دریا خان، تم نہ تو ہمیں قید میں رکھ سکو گے اور نہ مقدمہ چلا سکو گے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" دریا خان چونک اٹھا۔

"ہم جا رہے ہیں، ہمیں روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ تم انسپکٹر جمشید کو نہیں جانتے۔ انسپکٹر جمشید کو سمندر خان ضرور جانتے ہیں اور اسی لیے انہوں نے مجھے یہاں بلایا ہے۔ ان کے خلاف ضرور یہاں کوئی گہری سازش ہو رہی ہے۔ میں اس سازش کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ آؤ بچو چلیں۔"

وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اس قدر اچانک فیصلہ۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

"خبردار، تم لوگ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرو گے۔" دریا خان چلایا۔

لیکن اس وقت تک انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف مڑ چکے تھے۔ ان کی رفتار انتہائی تیز تھی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو لپکنا پڑ گیا۔ جونہی وہ دروازے تک پہنچے، دریا خان نے تالی بجا دی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک نگران اندر داخل ہوا۔ ایک

فولادی مکا اس کے منہ پر لگا اور وہ دھڑام سے منہ کے بل گرا، دوسرے ہی لمحے وہ چاروں کمرے سے باہر تھے۔ دروازہ پر تین نگران موجود تھے۔ انسپکٹر جمشید فوراً ان سے بولے:

"دریا خان تم تینوں کو اندر بلا رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔" انہوں نے کہا اور اندھا دھند اندر داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے دروازہ بند کر کے باہر سے چٹخنی لگا دی اور پرسکون انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

بیرونی راستہ انہیں معلوم تھا، لہٰذا وہ بڑھتے چلے گئے۔ کسی نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ روکنے کی کوشش تو وہ تب کرتے جب وہ بھاگ رہے ہوتے۔ ان کے انداز سے تو فرار ہونے والی کوئی بات ظاہر ہی نہیں ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ صدر دروازے سے نکل گئے۔ عین اسی وقت انہوں نے اندر کہیں بگل کی آواز سنی۔

"اب خطرہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ دروازے کے بائیں طرف ایک جیپ کھڑی تھی۔ جیپ میں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جیپ میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے جیپ اڑی جا رہی تھی اور ان کا رخ سرحد کی طرف تھا۔ جس طرف طاغوت بین کی آواز میں الجھا تھا۔

"ابا جان، ہمارا تعاقب شروع کیا جا چکا ہے۔"

"پروا نہ کرو، اب ہم ان کے ہاتھ نہیں لگیں گے۔"

"تو کیا دریا خان ہی باپ کے خلاف سازش کر رہا ہے؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمیں سمندر خان کو تلاش کرنا ہوگا۔ اسی صورت میں کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف دریا خان، ہماری گرفتاری کے سلسلے میں ہر قدم

اٹھائے گا۔"

"گویا پوری ریاست ہمارے خلاف ہو گی۔ بھلا ہم ان سب کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے۔"

"یہ ریاست اتنی لمبی چوڑی نہیں۔ ہمارے ملک کا ایک چھوٹا سا شہر بھی اس سے بڑا ہو گا۔ تم اسے ایک قبیلہ کہہ سکتے ہو۔ اس قبیلے کا سردار سمندر خان ہے۔"

اسی وقت انہوں نے محسوس کیا، ان کے تعاقب میں بے شمار جیپیں چلی آ رہی تھیں۔ یہ محسوس کرتے ہی انہوں نے رفتار بڑھا دی۔

"ابا جان، ان لوگوں سے بچنے کی بس ایک ہی ترکیب ہے۔" فرزانہ بولی۔

"حیرت ہے، تمہارا پاس بس ایک ہی ترکیب رہ گئی۔" فاروق بولا۔

"ہمیں جیپ چھوڑ دینی چاہیے۔ پہاڑی سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ہم چٹانوں میں پہنچ کر ان لوگوں کو چکر پر چکر دے سکتے ہیں۔" اس نے جیسے فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، تو پھر میں جیپ روک رہا ہوں۔ جلدی کرو۔"

ساتھ ہی جیپ رک گئی۔ وہ نیچے اتر پڑے۔ اب انسپکٹر جمشید نے جیپ کا سٹیرنگ گھما دیا اور وہ ڈھلوان کی طرف رینگنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سڑک سے نیچے اتر گئی۔ اچانک وہ الٹی اور سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں جا گری۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ اور وہ چٹانوں کی اوٹ لے کر دوڑنے لگے۔ چند منٹ بعد انہوں نے بے شمار دوڑتے قدموں کی آوازیں سنیں، گویا اب پیدل تعاقب شروع ہو چکا تھا۔ انہوں نے رفتار اور تیز کر دی۔ اچانک ایک تنگ منہ والے غار پر ان کی نظر پڑی۔

"ہم اس غار میں کیوں نہ چھپ جائیں۔ غار اندر سے تاریک ہے۔" فاروق بولا۔

"یہ غار، موت کا غار بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے۔ ہمارے لیے تو ہر چیز موت کی چیز ثابت ہو سکتی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے، آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ منہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک وقت میں صرف ایک آدمی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ ان کے بعد فرزانہ اور پھر فاروق داخل ہوئے۔ محمود نے اندر داخل ہونے سے پہلے چاروں طرف دیکھا۔ تعاقب کرنے والے ابھی بہت دور تھے اور بہت ننھے ننھے نظر آ رہے تھے، گویا وہ انہیں غار میں داخل ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اندر داخل ہونے کے بعد اس نے اندر تک دیکھنے کی کوشش کی، لیکن چند گز سے آگے کچھ دکھائی نہ دیا۔

"اف خدا، اس غار میں تو بہت تاریکی ہے۔ رات کو تو یہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔"

"فکر نہ کرو، میری جیب میں پنسل ٹارچ موجود ہے۔"

"لیکن اس کے سیل کب تک کام دیں گے؟" فاروق بولا۔

"ہم اسے مسلسل نہیں جلائیں گے۔ آؤ ذرا آگے چل کر دیکھیں۔ غار میں کوئی خطرناک چیز تو نہیں ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی۔ اس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔ لیکن ٹارچ کی روشنی میں بھی غار کا آخری سرا نظر نہ آیا۔

"معلوم ہوتا ہے، غار بہت لمبا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کم از کم تمہاری زبان سے لمبا ہرگز نہیں ہوگا۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"تب پھر تمہارے ترکیبوں بھرے دماغ جتنا لمبا چوڑا ہوگا۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"بھئی کم از کم اس غار میں تو نہ لڑو۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"کیوں، اس غار میں کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی بس ایسے ہی۔ بے چارہ غار کیا خیال کرے گا؟" محمود کے بجائے فاروق بول پڑا۔

"لیجیے، اب غار بھی خیال کرنے لگے۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بھئی ذرا پیچھے کی طرف بھی خیال رکھنا۔ کہیں دریا خان کے آدمی بھی غار میں داخل نہ ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ ہاں، اس بات کا تو ہمیں خیال ہی نہیں رہا۔"

اور وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد غار کے دہانے کی طرف بھی دیکھنے لگے۔ اچانک دوڑتے قدموں کی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں، پھر غار کے دہانے کے قریب بہت سے آدمی رکتے محسوس ہوئے۔

"کیا خبر، وہ اس غار میں گھس گئے ہوں۔" ایک آواز گونجی۔

"ٹھیک ہے، آٹھ آدمی غار کے اندر داخل ہو کر دیکھ آئیں۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ تم لوگوں کے پاس ننگی تلواریں ہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔" کسی نے حکم دیا۔

"بہت بہتر جناب۔"

انہوں نے دم سادھ لیے اور غار کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف

رینگتے رہے۔ خطرہ واقعی سر پر آ پہنچا تھا۔ اب وہ سوچ رہے تھے انہوں نے غار میں داخل ہو کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ آزاد فضا میں وہ ان لوگوں سے بخوبی مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن غار میں وہ آزادی سے نہیں لڑ سکتے تھے۔

اب غار میں ان کے قدموں کی آواز گونجنے لگی۔ لیکن ان کی طرف سے کوئی ٹارچ وغیرہ روشن نہیں کی گئی۔ شاید ان کے پاس ٹارچ تھی نہیں۔ اچانک کسی نے کہا:

''نہیں بھئی، وہ اس غار میں نہیں ہو سکتے۔ آؤ چلیں، کہیں ہم غار میں نہ دیکھتے رہ جائیں اور وہ دور نکل جائیں۔''

''لیکن کیا خبر، وہ غار میں کہیں آگے چھپے ہوئے ہوں۔''

''خیر کوئی بات نہیں۔ ہم غار کے منہ پر چار آدمی مقرر کر کے آگے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ غار سے نکل کر بھاگ نہیں سکیں گے۔''

''یہ ترکیب اچھی ہے۔'' دوسرا بولا۔

جلد ہی انہوں نے انہیں واپس جاتے دیکھا۔ اب وہ ان لوگوں کو دیکھ سکتے تھے، جب کہ وہ انہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کے نکل جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی:

''ہو سکتا ہے، اس غار کا کوئی دوسرا سرا بھی ہو، اس لیے ہم آگے بڑھیں گے۔''

وہ قدم اٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ دہانہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اچانک فرزانہ نے خوف زدہ آواز میں کہا:

''اوہو۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں۔''

''ایک تو تم موقع بے موقع کچھ نہ کچھ سنتی رہتی ہو۔'' فاروق جل کر بولا۔

''تو کیا تم چاہتے ہو، میں کچھ نہ سنا کروں۔'' فرزانہ بھنا اٹھی۔

''یہ میں نے کب کہا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''دھت تیرے کی۔ شروع ہو گئی بے معنی گفتگو۔'' محمود نے جھنجلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

''بے معنی تو خیر نہیں ہے، مطلب تو اس گفتگو کا ہے، اب یہ اور بات ہے، تم نہ نکال سکو۔'' فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

''فرزانہ، تم نے کیا سنا تھا؟'' انسپکٹر جمشید تنگ آ کر بولے۔

''ایک آواز۔ ایک بہت ہی عجیب سی آواز۔'' اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

''تو تمہارے خیال میں وہ آواز کس چیز کی تھی؟''

''میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائی۔ آپ بھی سنیے، اب تو آواز قدرے اونچی ہو گئی ہے۔''

انہوں نے بھی کان لگا دیے اور پھر ان کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکے تھے کہ وہ آواز کس چیز کی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیوں انہیں خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

خبردار

"کیا ہمیں رک جانا چاہیے؟" فرزانہ کی آواز ابھری۔

"کیوں، رکیں کس لیے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ یہ آواز کس چیز کی ہے، اس وقت تک آگے بڑھنا تو درست نہیں ہوگا۔" اس نے جواب دیا۔

"لیکن جب تک ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس آواز کی وضاحت نہیں ہو سکے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ٹارچ ان کے ہاتھ میں تھی اور وہ کبھی کبھار اسے روشن کر کے غار میں دور تک دیکھ لیتے تھے۔ ابھی تک غار ختم ہوتا نظر نہیں آیا تھا۔

"بالکل ٹھیک، ہمیں آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ رکنا بزدل کرتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"بزدل ہو گے تم خود۔ اندھادھند آگے بھی تو نہیں بڑھا جا سکتا۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"اندھادھند کس طرح۔ ابا جان کے ہاتھ میں ٹارچ ہے۔" فاروق نے بھی تڑسے جواب دیا۔

"ختم کرو، ہم آگے بڑھ رہے ہیں، جو کچھ بھی ہوگا، سامنے آ جائے گا۔"

پانچ منٹ تک چلتے رہنے کے بعد آواز صاف ہوگئی۔ یہ ایک گیت کی آواز تھی۔ کچھ لوگ مل کر گیت گا رہے تھے۔ گیت کے بول ان کی سمجھ سے باہر تھے، لیکن گانے کا انداز اور لب ولہجہ اس قدر عجیب تھا کہ انہیں عجیب سا احساس ہونے لگا۔

"یہ۔ یہ غار تو آباد معلوم ہوتا ہے، جیسے اس میں کچھ پہاڑی لوگ رہتے ہوں۔" فرزانہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

"ہاں، اس کا امکان ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

تین منٹ تک اور آگے بڑھنے کے بعد غار میں روشنی نظر آنے لگی اور کسی قدر دھوئیں کا احساس بھی ہونے لگا۔ کچھ آگے بڑھے تو غار کافی کشادہ نظر آنے لگا۔ چار مشعلیں جلتی دکھائی دیں۔ ان کی روشنی میں انہوں نے دیکھا، غار میں بیس کے قریب آدمی موجود تھے۔ ان کے سروں پر ریڈ انڈینوں کی طرح پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ لباس میلے کچیلے تھے۔ وہ ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے ایک آواز ہو کر گیت گا رہے تھے۔ دائرے کے مرکز پر ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کمر پر بندھے ہوئے تھے۔ اور دونوں پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ اس کے سر پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ چہرہ چونکہ نیچے کی طرف تھا، اس لیے وہ دیکھ نہیں سکے۔ وہ گیت میں اس درجے مست تھے کہ ان سب کی آنکھیں بند تھیں۔ اور لے کے ساتھ ساتھ وہ جھوم رہے تھے۔ بندھا ہوا شخص بے ہوش دکھائی دیتا تھا، کیونکہ اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ وہ یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ گیت کی لے ان پر بھی اثر کرنے لگی۔ انہیں یوں لگا، جیسے وہ بھی نیند کی آغوش میں گرتے جا رہے ہوں۔ پھر انسپکٹر جمشید نے انہیں جھنجھوڑ ڈالا، تاہم انہوں نے منہ سے اب بھی کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہوں نے کہا:

"خبردار، سو نہ جانا۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھنے لگے۔ اچانک گیت تھم گیا۔ نیند کی کیفیت دم توڑنے لگی۔ وہ لوگ البتہ اب تک آنکھیں بند کیے جھوم رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھول دیں اور گرج دار آواز میں بولا:

''آج کی مشق بھی ختم ہوئی۔ اب اسے اٹھاؤ اور باہر نکلو۔''

''گویا آج ہم منزل پر پہنچنے والے ہیں۔'' ایک دوسرا بولا۔

''ہاں، امید تو یہی ہے۔'' پہلے نے کہا۔

''لیکن سردار، کیا یہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرے گا؟'' ایک اور نے بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں، بس تم دیکھتے جاؤ۔''

وہ چاروں قدرے تاریکی میں تھے۔ شاید اسی لیے وہ لوگ ابھی تک انہیں نہیں دیکھ سکے تھے، دوسرے یہ کہ وہ دم سادھے کھڑے تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ تو یہاں سمندر خان کے بلاوے پر آئے تھے، لیکن سمندر خان غائب ہو چکا تھا اور وہ ریاست کے قانون کی نظروں میں مجرم بن چکے تھے، انہیں ساتھ لانے والا سپیروں کے چکر میں انہیں بھلا چکا تھا اور اب اس غار میں بیس کے قریب آدمی ایک بندھے ہوئے آدمی کے ساتھ کچھ کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ نہ جانے کیا۔ ان کی حیرت نہ بڑھتی تو کیا ہوتا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چار آدمیوں نے بندھے ہوئے آدمی کو اٹھالیا اور غار میں آگے بڑھے، گویا غار ابھی بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اب وہ دبے پاؤں ان کے تعاقب میں چلنے لگے۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے تین منٹ بعد ٹھنڈی ہوا کا ایک تیز جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا، گویا اس غار کا کوئی دوسرا دہانہ بھی تھا۔ ایک منٹ بعد ہی دہانہ نظر آنے لگا۔ یہ دہانہ بہت کھلا تھا اور آٹھ دس آدمی ایک ساتھ اندر داخل ہو سکتے یا نکل سکتے تھے۔ ان

کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بیس کے بیس آدمی باہر نکل گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس آدمی کی آواز سنی جو ہدایات دے رہا تھا:

''ٹھیک ہے، اب اسے کھول دو۔ اور سیدھا کھڑا کر دو۔''

''بہت اچھا۔'' جواب میں کہا گیا۔

وہ دہانے تک رینگ آئے اور سر باہر نکال کر دیکھنے لگے۔ وہ لوگ ایک قطار میں کھڑے نظر آئے۔ صرف چار آدمی بندھے ہوئے شخص کو کھولنے کے لیے قطار سے آگے نظر آئے۔ اس شخص کی رسیاں کٹ گئیں، لیکن وہ اب تک بے حس لیٹا ہوا تھا۔

''اٹھا دو اسے۔'' اس نے حکم دیا۔

چاروں نے مل کر اسے اٹھایا اور کھڑا کر دیا، لیکن جونہی ہاتھ ہٹائے، وہ دھڑام سے گر گیا۔

''اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں سردار۔''

''اچھا، تم چھوڑ کر ہٹ آؤ۔ اب میں اسے اٹھاؤں گا۔'' سردار نے کہا۔

چاروں پیچھے ہٹ کر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ سردار قطار سے صرف ایک قدم آگے بڑھا اور بولا:

''اٹھ جاؤ میرے حکم سے۔''

ان الفاظ کے ادا کرنے کی دیر تھی کہ وہ شخص آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ آخر سیدھا کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

''ٹھیک ہے، اب چٹان کے بالکل سرے پر کھڑے ہو جاؤ۔'' سردار نے اسے حکم دیا۔

وہ شخص چند قدم آگے بڑھ گیا۔ غار کے دہانے سے وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس

کے قدموں کے آگے کیا ہے۔

"ٹھیک ہے، اب تم یہاں سے نیچے چھلانگ لگا دو۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس آدمی نے چھلانگ لگا دی۔ اس کا جسم ان کی نظروں کے آگے سے غائب ہو گیا۔ وہ تھرا اٹھے۔ ساتھ ہی انہوں نے سردار کو کہتے سنا:

"آؤ اب نیچے چلیں۔"

☆☆

غار کے دہانے پر کھڑے بیس کے قریب آدمی دائیں ہاتھ مڑ گئے اور ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب وہ جلدی سے آگے بڑھے۔ اس جگہ پہنچے جہاں سے اس شخص کو چھلانگ لگانے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا، اس جگہ سے نیچے ایک ہزاروں فٹ گہری کھائی تھی۔ وہ کانپ کر رہ گئے۔ اس شخص نے حکم سنتے ہی نیچے چھلانگ لگا دی تھی، گویا وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا، لیکن سوال تو یہ تھا کہ اس سردار نامی آدمی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"اف اللہ، یہ کیا معاملہ ہے۔" فرزانہ کانپ کر بولی۔

"آؤ دیکھتے ہیں۔"

وہ بھی اسی سمت میں چلنے لگے، جس سمت میں بیس کے بیس آدمی گئے تھے۔ وہ کافی فاصلے پر جاتے دکھائی دیے۔ کافی پرجوش معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ شاید ان کا خیال تھا، ان کے پیچھے تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

وہ مسلسل نیچے اترتے رہے۔ یہاں تک کہ آدھ گھنٹے کے بعد اس کھائی تک جا پہنچے، جس میں وہ شخص گرا تھا۔ اب انہوں نے دیکھا، نیچے ایک جال تانا گیا

تھا۔ وہ شخص ابھی تک جال پر پڑا تھا، گویا وہ زندہ تھا۔ یہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔

"اسے جال سے نیچے اتار کر میرے سامنے لے آؤ۔"

یہ کہتے ہوئے سردار ایک دم مڑا اور اسی لمحے اس نے انہیں دیکھ لیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، پھر ان میں خوف دوڑ گیا۔

"تت۔ تت۔ تم کون ہو؟" وہ ہکلایا۔

"انسان۔"

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"یہ سوال تو ہم تم سے بھی کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر کرو، کرتے کیوں نہیں۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اب اس کی آنکھوں میں حیرت اور خوف کی جگہ غصہ نظر آیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اپنا کام۔" سردار بولا۔

"سردار، کک۔ کہیں یہ وہ لوگ تو نہیں۔"

"وہ کون؟" اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"وہی، جن لوگوں کو طاغوت لینے گیا تھا۔"

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا، پھر اس کی نظریں ان پر جم گئیں۔ آخر اس نے کہا:

"کیوں، کیا تم وہی ہو؟"

"ہاں، وہی ہیں۔ اب ذرا کچھ اپنے بارے میں بتاؤ، تم کون ہو اور یہ کیا چکر چلا رہے ہو اور سمندر خان کہاں ہیں؟"

''سمندر خان، سمندر خان سے بھلا ہمارا کیا تعلق؟''

''تو پھر ابھی یہ کیوں کہا گیا تھا کہ کہیں یہ وہ لوگ تو نہیں جنہیں طاغوت لینے گیا تھا۔''

''طاغوت ہمارا دوست ہے۔ اس نے یہ بات ہمیں بتائی تھی۔'' سردار بولا۔

''خیر، یہ جو تم نے اس شخص کو اوپر سے چھلانگ لگوائی، اس کا کیا مقصد تھا؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''اوہ، تو تم یہ بھی دیکھ چکے ہو۔''

''ہاں، اب جلدی سے بتاؤ، تم کیا چکر چلا رہے ہو؟''

''ابھی بتاتا ہوں، پہلے تمہارا بندوبست تو کر لوں۔ پکڑ لو انہیں۔''

بیس کے قریب آدمی اچانک ان کی طرف جھپٹے۔ وہ بوکھلا اٹھے اور بچاؤ کے لیے پیچھے ہٹے، پھر انسپکٹر جمشید نے نزدیک آ جانے والے پہلے آدمی کے پیٹ میں ایک زوردار لات دے ماری۔ وہ بلبلا کر دوسروں پر الٹ گیا۔ دوسروں نے جھنجلا کر اسے پرے جھٹک دیا اور طیش میں آ کر آگے بڑھے۔ اتنی دیر میں محمود، فاروق اور فرزانہ بھی سنبھل چکے تھے اور ہاتھوں میں پتھر اٹھا چکے تھے۔ انہوں نے نزدیک آ جانے والوں پر پتھر دے مارے۔ بیک وقت تین چیخیں بلند ہوئیں۔ ساتھ ہی ان میں سے کئی ایک نے پتھر اٹھا لیے اور ان کی طرف اچھال دیے۔ انہوں نے ادھر ادھر گر کر خود کو بچایا اور پھر تو گویا ان پر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ان کا حربہ خود ان کے لیے۔ خطرناک بن گیا تھا۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید چلا اٹھے:

''بھاگو، ورنہ چٹنی بن جائے گا۔''

اور انہوں نے دوڑ لگا دی۔ اگر وہ دشمنوں سے کچھ فاصلے پر مورچے

سنبھالے ہوئے ہوتے، تو ہرگز بھاگنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔ اب وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور بیس آدمی ان کے تعاقب میں تھے۔

''ابا جان، یہ کیا، آپ بھاگ کیوں نکلے؟''

''تو ان سے لڑنے میں فائدہ بھی کیا تھا۔'' وہ بولے۔

''کم از کم ہم یہ تو جان ہی سکتے تھے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''پھر دیکھ لیں گے، اس وقت تو ان کی زد سے نکلنے کا مسئلہ ہے۔ یوں تو ہم کچھ فاصلے پر جا کر پوزیشن لے سکتے ہیں اور ان سے بہت اچھی طرح نبٹ سکتے ہیں، لیکن اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ میں تو چاہتا ہوں، ان سے دور رہ کر یہ دیکھوں کہ یہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''عجیب حالات ہیں۔ ہم آئے تھے کس لیے اور پڑ گئے کن چکروں میں۔ اور آپ کے دوست سمندر خان کا دور دور تک پتا نہیں۔ شاید اتنے حیرت انگیز حالات میں ہم کبھی نہیں گھرے ہوں گے۔'' محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''خیر، ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہماری زندگی میں حیرت انگیز واقعات کی کچھ کمی نہیں ہے۔'' فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

''اور میں یہ سوچ رہی ہوں، وہ بندھا ہوا آدمی کون تھا۔ اس نے حکم سنتے ہی چھلانگ کیوں لگا دی۔ کیا اسے معلوم تھا کہ نیچے جال تانا گیا ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس سے تو کھڑا ابھی نہیں ہوا جا رہا تھا، وہ سردار کا حکم سنتے ہی یک دم کھڑا کس طرح ہو گیا۔ اس میں کہاں سے طاقت آ گئی۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

اب وہ ان لوگوں سے کافی فاصلے پر آ گئے تھے اور درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، گویا ان کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا خیال ہے ابا جان، اب ہم رک نہ جائیں۔" انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

پانچ منٹ تک دوڑ جاری رہی۔ آخر وہ بہت دور نکل آئے اور تعاقب کرنے والے نظر آنا بند ہو گئے۔

"بس بھئی، اب ہم چکر کاٹ کر پھر اسی جگہ چلیں گے، جہاں سردار کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" انسپکٹر جمشید رکتے ہوئے بولے۔

"مر گئے پھر تو، ہم دوڑتے بھاگتے رہ جائیں گے ان پہاڑیوں میں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"بس ہار گئے ہمت۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بے چاری ہمت کو تم ہی جیتا کرو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن ابا جان، اس طرح تو ہمیں بہت لمبا چکر لگانا پڑے گا اور مجھے بھوک ستانے لگی ہے۔ جب سے ہم یہاں آئے ہیں، کسی نے چائے کو بھی نہیں پوچھا۔ کیوں نہ پہلے کہیں سے کچھ کھا لیا جائے۔"

"یہاں تو دور دور تک کھانے کے لیے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر ہمیں پہلے آبادی میں چلنا چاہیے۔ پیٹ بھر کر ہم پھر ادھر لوٹ آئیں گے۔"

"اچھا چلو، یونہی سہی۔ اگرچہ اس میں خطرہ ہے کہ وہ لوگ کہیں چلے نہ جائیں اور ہم انہیں کھو نہ بیٹھیں۔"

"لیکن بھوک کی حالت میں ہم اپنے آپ کو جو کھو بیٹھیں گے۔" فاروق بولا۔

"اچھا خیر، یونہی سہی۔"

اور انہوں نے اپنے رخ آبادی کی طرف کر دیے۔ پندرہ منٹ تک تیز تیز چلنے کے بعد انہوں نے ایک کڑکتی آواز سنی:

"خبردار، جہاں ہو، وہیں رک جاؤ۔"

☆☆☆

غلط لوگ

انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ وہ یہ تو بھول ہی گئے تھے کہ ریاست کی پولیس بھی ان کی تلاش میں بھاگ دوڑ کر رہی ہے اور اب ننگی تلواروں والے سپاہی انہیں چاروں طرف سے گھیر چکے تھے۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھنا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اس میں بے چاری ران کا کیا قصور؟" فاروق بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"ہاں، قصور تو محمود کی بھوک کا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اب کیا کریں ابا جان؟" محمود بولا۔

"بھئی، اب گرفتاری دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کم بختوں نے ننگی تلواروں کا ایک ہالہ سا بنا رکھا ہے، نکلیں بھی تو کس طرف سے۔ خیر فکر نہ کرو، جونہی موقع ملا، ہم بھاگ نکلیں گے اور پھر ان کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

"اور اگر انہوں نے موقع نہ دیا تو؟" فرزانہ بولی۔

"ہم خود موقع حاصل کریں گے۔ یہ بھلا کیوں موقع دینے لگے۔ تم اتنا بھی

نہیں سمجھتیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"چلو تو تم سمجھتے ہو۔" فرزانہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" انہیں حکم دیا گیا۔

"چلو لڑ پھر لینا، پہلے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" محمود مسکرایا۔

اور انہوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔ تلواروں کا حلقہ نزدیک آ گیا۔ پھر ان کی نوکیں انہیں اپنے جسموں کو چھوتی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی ڈال دی گئیں۔ اب ان کے لیے ایک جیپ لائی گئی۔ جیپ کے پچھلے حصے میں انہیں بٹھایا گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ محل میں داخل ہو رہے تھے اور پھر انہیں دریا خان کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

"بہت خوب، ہمیں اپنے سپاہیوں پر ناز ہے، جو تم لوگوں کو اتنی جلدی پکڑ لائے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"واقعی، یہ لوگ بہت تیز ہیں۔"

"اب کیا خیال ہے؟" دریا خان بولا۔

"کس بارے میں؟"

"اپنے بارے میں اور ہمارے بارے میں۔"

"تم لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ ہم تمہارے دشمن نہیں، دوست ہیں۔ کاش سمندر خان ہمیں ایک بار مل چکے ہوتے۔ اس صورت میں تم ہمارے ساتھ بہت ہی خاص مہمانوں کا سلوک کر رہے ہوتے۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ ہماری یہاں آمد سے پہلے ہی غائب ہو گئے۔" انہوں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"اور طاغوت کے بارے میں کیا خیال ہے؟" دریا خان نے طنزیہ لہجے

میں کہا۔

''اس کا ضرور دماغ چل گیا ہے۔ نشہ آور دواؤں نے شاید اس کی یادداشت پر بُرا اثر ڈالا ہے، ورنہ یہ حقیقت ہے، وہی ہمیں بلانے گیا تھا اور ساتھ لے کر آیا تھا۔''

''لیکن اس کا تو بیان ہے، وہ دوست ملک میں داخل ہی نہیں ہو سکا۔''

''میں خود حیران ہوں، وہ یہ بات کس طرح کہتا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا، ہم آپ کے قیدی ہی سہی، لیکن قیدیوں کو بھوکا رکھنے کا قانون پوری دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔''

''اوہو، تو کیا تم لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا نہیں؟''

''نہیں، اس کا موقع ہی کہاں ملا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''اوہ، مجھے بہت افسوس ہے۔ آپ لوگوں کو کھانا ضرور کھلایا جائے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔ فوراً ایک نگران اندر داخل ہوا۔ اس کی ٹھوڑی پر ورم تھا۔ نیلی ہو رہی تھی۔ یہ وہی تھا، جس کی ٹھوڑی پر انسپکٹر جمشید نے مکا مارا تھا۔

''جمال خان، ان لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ کھانا کھلا کر انہیں پھر میرے پاس لانا۔''

''بہت بہتر جناب۔'' اس نے جلے کٹے لہجے میں کہا، پھر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

''چلو۔'' اس کے لہجے میں حقارت تھی۔

وہ انہیں کھانے کے کمرے میں لے آیا۔ آدھ گھنٹے بعد انہیں کھانا دیا گیا، لیکن اتنا بدمزا کھانا انہوں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو کھانا پکانا نہیں آتا تھا، یہ سب تو کیا دھرا جمال خان کا تھا۔ شاید بدمزا

کھانا کھلا کر وہ ان سے اس مکے کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو انہیں پھر دریا خان کے سامنے پیش کیا گیا۔

''تم لوگ کھانا کھا چکے؟''

''جی ہاں، اپنی زندگی کا بدمزا ترین کھانا کھا چکے ہیں۔'' فاروق بولا۔

''بدمزا ترین، یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہمارے ہاں کے کھانے تو یہاں آنے والے تمام مہمان بہت پسند کرتے ہیں۔'' دریا خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس میں قصور یہاں کے کھانوں یا پکانے والوں کا نہیں، کھانے کو جان بوجھ کر بدمزا بنایا گیا تھا۔ مثلاً کسی چیز میں مرچیں بے تحاشا ڈال دی گئیں تو کسی میں نمک اور کسی چیز کو کڑوا کر دیا گیا۔ روٹیوں کو جلا دیا گیا۔'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''یہ میں کیا سُن رہا ہوں جمال خان۔'' دریا خان اس کی طرف مڑا۔

''ان سے کچھ نہ پوچھیے دریا خان، انہوں نے دراصل ہم سے انتقام لیا ہے۔ اس مکے کا انتقام جو میں نے ان کے منہ پر مارا تھا۔''

''اوہ، کیوں جمال خان، کیا یہ درست ہے؟'' دریا خان نے غصے میں آ کر پوچھا۔

''جج، جی ہاں۔''

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ ابھی تک یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یا ہماری ریاست کی جاسوسی کرنے آئے ہیں۔ ان حالات میں انہیں اچھا کھانا دیا جانا چاہیے تھا۔ جمال خان تم نے ہماری روایات کی خلاف ورزی کی ہے، لہٰذا تمہیں سزا دی جائے گی کل پوری ریاست کے لوگ جشن ریاست منائیں گے۔ اس موقعے پر تمہیں سزا دی جائے گی۔ تم اپنی سزا خود تجویز کرو گے۔''

''مم، معاف کر دیجیے جناب، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔''

"ہمارے ہاں معافی کہاں جمال خان، تم تو جانتے ہی ہو۔ اب ان لوگوں کو لے جا کر اسی کوٹھری میں بند کردو۔ جس میں......"

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت بگل بجا تھا۔ دریا خان اور جمال خان زور سے چونکے، پھر دریا خان کے منہ سے نکلا:

"بابا جان آگئے۔ جمال خان، تم یہیں ٹھہرو، ان لوگوں کو نظروں میں رکھو۔ میں بابا جان کے استقبال کے لیے جاتا ہوں۔" یہ کہتے ہی وہ دروازے کی طرف لپکا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

"اس شکایت کا مزا تمہیں چکھنا ہوگا۔" جمال خان نے غرا کر کہا۔

"اچھا، چکھ لیں گے۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"لیکن پہلے آپ اپنی سزا تو بھگت لیں گے۔" محمود جل کر بولا۔

"میں اپنی سزا خود تجویز کروں گا اور میں نے سوچ لیا ہے۔ اس سزا کے ذریعے ہی میں تمہیں مزا چکھاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"مطلب تو اب تمہیں کل ہی معلوم ہوگا۔" اس نے زہر میں بجھے لہجے میں کہا۔

"اچھا، اللہ مالک ہے۔" فاروق نے آسمان کی طرف دیکھنا چاہا لیکن اوپر تو کمرے کی چھت تھی۔

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجی اور پھر دریا خان سے ایک قدم آگے چلتا ایک ادھیڑ عمر کا لمبا چوڑا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے سر کے بال آدھے سفید اور آدھے کالے تھے۔ جسم بہت مضبوط دکھائی دیتا تھا۔ آنکھوں میں بہت تیز چمک تھی۔ اس نے ان پر ایک نظر ڈالی اور پھر ٹھٹک کر رک گیا۔

"یہ۔ یہ کون لوگ ہیں؟"

"کیا آپ انہیں نہیں جانتے بابا جان؟"

"نہیں تو۔ میں تو انہیں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا؟" دریا خان چلا اٹھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بوکھلا گئے۔ انہوں نے پریشانی کے عالم میں اپنے والد کی طرف دیکھا لیکن وہ تو سمندر خان پر نظریں ائے ہوئے تھے۔

☆☆

"آپ مجھے نہیں جانتے سمندر خان، میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ میری طرف ھیے۔ آپ نے طاغوت کو میرے پاس بھیجا تھا۔ آپ کسی نامعلوم وجہ سے بہت ن میں تھے۔ اس الجھن کو دور کرنے کے لیے آپ کو میرا خیال آیا اور آپ نے ے یہاں بلانے کے لیے طاغوت کو بھیجا، لیکن جب ہم یہاں پہنچے تو آپ غائب چکے تھے۔ آخر آپ کہاں چلے گئے تھے سمندر خان۔" وہ روانی کے عالم میں کہتے لے گئے۔

"میں کہیں بھی گیا تھا، تم لوگ کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔ کبھی کبھار میں ی طرح اطلاع دیے بغیر غائب ہو جاتا ہوں، تاکہ چھپ کر ریاست کے لوگوں کا زہ لوں۔"

"تو آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن بابا، کم از کم یہ بات بالکل درست ہے کہ آپ نے طاغوت کو ری ملک میں بھیجا تھا، تاکہ وہ وہاں سے انسپکٹر جمشید کو بلا لائے۔" دریا خان نے الجھ ر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے انسپکٹر جمشید کو یہاں بلایا تھا، لیکن یہ انسپکٹر جمشید نہیں ہے۔ میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"آپ انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں اور پھر بھی پہچان نہیں پا رہے، عجیب بات ہے۔" فاروق نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لڑکے، تمیز سے بات کرو، تم کون ہو؟" سمندر خان غرایا۔

"سمندر خان، یہ تینوں میرے بچے ہیں۔ بارہ تیرہ سال پہلے میں یہاں تنہا آیا تھا۔ آخر آپ مجھے پہچانتے کیوں نہیں؟"

"پہچانوں کیسے، تم وہ ہو ہی نہیں۔"

"بس فیصلہ ہو گیا۔ اب ان لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟"

"لے جاؤ انہیں، انہیں بھی کل کے جشن میں سزا دی جائے گی۔ یہ ضرور غیر ملکی جاسوس ہیں۔ طاغوت کی بارے میں تو میں یہ سمجھا تھا کہ اس کے دماغ پر نشے کا اثر ہے، لیکن بابا جان بھی نشہ آور چیزیں استعمال نہیں کرتے، نہ ان کی یادداشت کمزور ہے، لہٰذا یہ لوگ ضرور دھوکے باز ہیں۔"

"تو طاغوت پہلے ہی یہ فیصلہ دے چکا ہے کہ یہ انسپکٹر جمشید نہیں ہیں۔" سمندر خان نے جلدی سے بولا۔

"جی ہاں، اس کا کہنا بھی یہی ہے۔"

"تو کیا وہ ان لوگوں کو ساتھ نہیں لایا تھا؟" سمندر خان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی نہیں، اس کا بیان ہے، وہ سرحد پار جا ہی نہیں سکا، سپیروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے نشہ آور دوائیں اسے کھلا دیں اور وہ وہیں پڑا رہا۔ اس لیے یہ لوگ بھلا انسپکٹر جمشید وغیرہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، تب یہ لوگ ضرور غلط لوگ ہیں لے جاؤ انہیں۔"

"چلو بھئی۔ اب تو تمہارے بارے میں بھی فیصلہ ہو گیا۔" جمال خان نے خوش ہو کر کہا۔

"ایک منٹ سمندر خان، میں آپ سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ چلیے آپ یہی سمجھتے رہیے کہ میں انسپکٹر جمشید نہیں، کوئی غلط آدمی ہوں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ نے انسپکٹر جمشید کو یہاں کیوں بلایا تھا؟"

"یہاں کیوں بلوایا تھا؟" سمندر خان بڑبڑایا۔

"ہاں، بابا جان، یہ بات تو خود میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔" دریا خان بے چین ہو اٹھا۔

"میں انسپکٹر جمشید کو کیوں بلوانا چاہتا ہوں۔" اس نے پھر کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"جی، جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا کہ میں انہیں کیوں بلانا چاہتا تھا۔ میں بھول گیا ہوں۔ یاد کر کے بتاؤں گا۔ ان لوگوں کو لے جاؤ۔"

"چلو بھئی، اب تو چلو۔" جمال خان مسکرایا۔

"ہاں دوست چلو، تم بھی خوش ہو لو۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

چند منٹ بعد وہ قیدی کوٹھڑی میں بیٹھے تھے۔

"ابا جان یہ کیا ہوا؟" محمود کہہ رہا تھا۔

"جو کچھ ہوا ہے، تمہارے سامنے ہوا ہے، پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔" وہ مسکرائے۔

"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کا مشاہدہ بہت تیز ہے۔ آپ کا تجربہ ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے، آپ کچھ اندازے لگانے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔"

"ہاں، کسی قدر جان تو چکا ہوں، لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم بھی اندازہ لگاؤ، صبر کرو اور انتظار کرو۔"

"انتظار، لیکن کس چیز کا؟" فرزانہ بولی۔

"کل کا۔" وہ بولے۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کل تک ہمیں اسی کوٹھری میں رہنا پڑے گا۔" فاروق گھبرا گیا۔

"ہاں بھئی، رہنا تو یہیں پڑے گا شاید۔"

"تو کیا آپ اس میں سے نکلنے کی تدبیر نہیں کریں گے؟"

"نہیں، میں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنا پسند کروں گا۔" وہ بولے۔

اور تینوں حیران رہ گئے۔ ان کے والد خود کو کبھی حالات کے دھارے پر چھوڑنے کے قائل نہیں تھے۔ وہ تو حالات کی باگ ڈور سنبھال کر چلنے کے عادی تھے۔

"لو بھئی۔ اب گزارو کل تک کا وقت اس قید خانے میں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر تم یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتے تو شوق سے جا سکتے ہو۔" محمود مسکرایا۔

"کہاں جا سکتا ہوں۔" فاروق پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"گھر، اور کہاں۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا، اپنی کیس ترکیب کے ذریعے دروازہ تم کھول دو، چلا میں جاتا

ہوں۔" فاروق بولا۔

"ہمیں کیا پڑی ہے دروازہ کھولنے کی۔ ہم تو ابا جان کے ساتھ رہنا پسند کریں گے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"تو جلی بھی کیوں جا رہی ہو، کباب نہ ہو جانا۔ سنا ہے، یہ لوگ کباب بہت شوق سے کھاتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، یہ لوگ آدم خور نہیں ہیں۔ ہماری پڑوسی ریاست کے لوگ ہیں اور ہمارے ہم مذہب یعنی مسلمان ہیں۔"

"اچھے مسلمان ہیں۔ خود بلایا اور قید میں ڈال دیا۔" فاروق بولا۔

"اس میں ان کا بھی قصور نہیں۔ طاغوت اگر ہمارے حق میں گواہی دے دیتا تو صورت حال اور ہوتی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلیے طاغوت نے تصدیق نہیں کی، سمندر خان نے تو آپ کو اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کیوں نہیں پہچانا۔"

"ہو سکتا ہے، انہوں نے جان بوجھ کر نہ پہچانا ہو اور رات کی تاریکی میں وہ یہاں آئیں۔ آ کر ساری بات بتائیں اور ہمیں قید سے نکال دیں۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

لیکن ان کا اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔ رات گزر گئی، لیکن سمندر خان ان سے ملنے نہ آئے۔ ہاں صبح نگران ضرور آئے۔ انہوں نے انہیں ناشتا کرایا اور چلے گئے۔

پھر دو گھنٹے بعد جمال خان کی صورت نظر آئی۔

"جشن کا وقت ہو گیا ہے۔ تم لوگوں کو وہاں لے جانے کا حکم ملا ہے۔"

"چلیے، ہم تیار ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اس کے ساتھ چلتے محل سے نکل کر ایک جیپ میں بیٹھے۔ پندرہ منٹ

مد ایک بہت بڑے میدان کے پاس جیپ سے اترے یہاں پورا میدان ریاست کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ درمیانی جگہ ضرور خالی تھی اور اس درمیانی جگہ تک پہنچنے کے لیے ایک راستہ چھوڑا گیا تھا۔ انہیں ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ آٹھ نگران ننگی تلواروں سے ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ آخر آدھ گھنٹے بعد سمندر خان اور دریا خان پورے دستے کے ساتھ آتے دکھائی دیے۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے اور جوش کے عالم میں تالیاں بجانے لگے۔ ان لوگوں کے لیے ایک اونچے تخت پر شاہانہ کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ سمندر خان کسی بادشاہ کے جاہ و جلال کی طرح کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس کے دائیں ہاتھ والی کرسی پر دریا خان بیٹھا اور پھر دستے کے لوگ، تاہم بیس کے قریب آدمی ان کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے رہے۔

"جشن سے پہلے سزاؤں کا اعلان کر دیا جائے بابا جان۔" دریا خان نے اٹھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، آج کا پہلا مجرم کون ہے؟" سمندر خان نے بارعب آواز میں کہا۔ اس کی آواز میں اس قدر گونج تھی کہ پورے میدان میں سنی جا رہی تھی۔

"جمال خان۔ اس نے ہماری روایات کے خلاف چار قیدیوں کو غلط کھانا کھلایا۔"

"جمال خان میدان میں حاضر ہو۔"

"فوراً جمال خان ان کے پاس سے اس خالی جگہ کی طرف بڑھا۔ راستے پر چلتا جب وہ آگے بڑھ رہا تھا تو سب لوگوں کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ آخر وہ عین درمیان میں پہنچ کر رک گیا۔

"کیوں جمال خان، تم پر جو الزام لگایا گیا ہے، کیا وہ درست ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے دبی آواز میں کہا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"قیدی نے میرے منہ پر زوردار مکا دے مارا تھا۔ آپ ورم ابھی تک دیکھ سکتے ہیں۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم انہیں غلط کھانا کھلاؤ۔ تمہیں چاہیے تھا۔ اس کے منہ پر مکا مار کر اپنا انتقام لے لیتے۔"

"غلطی ہو گئی جناب۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم اپنی سزا خود تجویز کرو۔ دریا خان بولا۔

"مجھے اس قیدی سے لڑنے کی اجازت دی جائے۔" جمال خان نے کہا۔

"یہ سزا تو نہ ہوئی۔" سمندر خان بولا۔

"اگر میں نے اسے ختم کر دیا تو میری سزا معاف کر دی جائے۔ دوسری صورت میں میں اس کے ہاتھوں ختم ہو کر اپنی سزا کو پہنچ جاؤں گا۔"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ خیر ہمیں منظور ہے۔ اس قیدی کو حاضر کیا جائے۔"

"نگرانوں نے انہیں آگے چلنے کا اشارا کیا۔ چاروں آگے بڑھے تو ایک نگران نے کہا:

"صرف وہ چلے گا، جس نے جمال خان کے مکا مارا تھا۔"

انسپکٹر جمشید ٹھہر ٹھہر کر قدم اٹھاتے خالی جگہ کی طرف بڑھنے لگے اور ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

☆☆☆

مقابلہ

انسپکٹر جمشید جمال خان کے نزدیک پہنچ گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر ہنسا۔

"کیوں دوست، میں نے اپنی کیسی سزا تجویز کی؟"

"بہت خطرناک۔" وہ بولے۔

"خطرناک کس طرح؟"

"اب یا تو میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے یا میں تمہارے ہاتھ سے مارا جاؤں گا۔ دو میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی، لہٰذا میرے نزدیک یہ سزا خطرناک ہی ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ میں تمہیں چند منٹ میں زیر کر لوں گا۔"

"میں وقت سے پہلے کچھ کہنے کا عادی نہیں۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"جمال خان، یہ تم قیدی کے ساتھ باتوں میں کیوں لگ گئے، مقابلہ شروع کرو۔" سمندر خان کی غصیلی آواز سنائی دی۔

"ابھی لیجیے جناب۔" جمال خان بلند آواز میں بولا، پھر ان کی طرف مڑا:

"ہاں بھئی، کون سے ہتھیار سے مقابلہ کرنا پسند کرو گے۔"

"قدرتی ہتھیاروں سے۔"

"قدرتی ہتھیاروں سے، کیا مطلب؟" جمال خان حیران ہو کر بولا۔

"ہاتھوں سے۔"

"لیکن ہاتھوں سے مقابلے میں تو بہت دیر لگ جائے گی۔"

"نہیں لگے گی، بہت جلد فیصلہ ہو جائے گا۔"

"تو پھر آؤ۔" یہ کہہ کر اس نے سمندر خان کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں بولا:

"قیدی ہاتھوں سے مقابلہ کرنا پسند کرتا ہے۔ میں نے اس کی دعوت منظور کر لی ہے۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ اور سنو، مقابلہ دلچسپ ہونا چاہیے۔ سست رفتار ہرگز نہ ہو۔" سمندر خان بولا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب، مقابلہ دیکھ کر آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

یہ کہتے ہی وہ بلا کی تیزی سے انسپکٹر جمشید کی طرف آیا۔ انسپکٹر جمشید پہلے ہی تیار تھے۔ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلے۔ بس یک دم نیچے جھکے اور دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ جمال خان کا دھڑ ان کے ہاتھوں سے ٹکرایا اور وہ ان کے سر سے بلند ہوتا چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے اسے اس قدر زور سے اچھالا کہ وہ کئی گز اوپر اٹھ گیا اور دھڑام سے نیچے گرا۔ زمین پتھریلی تھی۔ جمال خان گر کر اٹھ نہ سکا۔ آن کی آن میں لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ مجمعے پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

بے حس و حرکت جمال خان اور کھڑے ہوئے انسپکٹر جمشید کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ مقابلہ میری زندگی کا عجیب ترین مقابلہ تھا۔ اس قدر کم وقت کا مقابلہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ دریا خان، اب اس قیدی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

"میری تجویز یہ ہے کہ انہیں اپنے خاص آدمیوں کی نگرانی میں ان کے ملک کی سرحد تک پہنچا دیا جائے، کیونکہ میرے خیال میں ابھی تک انہوں نے ریاست کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔" دریا خان نے تجویز پیش کی۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" ایک آواز ابھری۔ آواز جانی پہچانی سی معلوم ہوئی، اس لیے انہوں نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔ یہ ایک لمبے قد کا آدمی تھا، لیکن شکل صورت جانی پہچانی نظر نہیں آئی۔

"ہمارے دوست تاری خان، تم کیا کہتے ہو؟"

"ان لوگوں کو میرے حوالے کر دیا جائے، میں انہیں موت کے غار میں بند کر دوں گا۔"

"نہیں بھئی، ابھی تک ان کا جرم ثابت نہیں ہو سکا۔ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہمارا اصول نہیں۔"

عین اسی وقت انسپکٹر جمشید کو ایک زوردار دھکا لگا۔ وہ منہ کے بل گرے۔

☆☆

مجمعے کو سانپ سونگھ گیا۔ سمندر خان، دریا خان اور تاری خان نے بوکھلا کر دیکھا۔ ادھر انسپکٹر جمشید بجلی کی سی سرعت سے پلٹے اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے جسم کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ جمال خان نے تلوار کا ایک بھرپور وار ان پر کیا تھا، لیکن تلوار سخت زمین پر پڑی اور اس کی دھار مڑ گئی۔ اس نے جھنجلا کر دوسرا وار کیا، لیکن اب وہ

سنبھل چکے تھے اور لڑھکتے چلے جا رہے تھے۔ ایک بار جو تلوار زمین پر لگی۔ جمال خان کے پیٹ میں ان کے جوتے کی نوک پورے زور سے لگی۔ وہ کمر کے بل گرا۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے تلوار والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ایک جھٹکا جو دیا، تلوار اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب انہوں نے تلوار اٹھالی اور جمال خان کی گردن پر اس کی نوک رکھتے ہوئے بولے:

"اب کیا خیال ہے؟"

"بہت خوب، چلو مقابلہ پورا ہو گیا۔ جمال خان، تم شکست کھا چکے ہو۔ میں اس بہادر قیدی کو موت کے غار میں نہیں پھنکوا سکتا، لہٰذا چار نگران ان لوگوں کو سرحد تک چھوڑ آئیں۔" سمندر خان نے حکم دیا۔

"بہت بہتر جناب۔"

چار نگران ان کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی راستے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک جیپ میں بیٹھے سرحد کا رخ کر رہے تھے۔ جب وہ مجمعے سے تقریباً تین کلو میٹر نکل آئے تو انسپکٹر جمشید پاس بیٹھے نگران سے بولے:

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہو، کیا بات ہے؟"

"اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں کہ میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ آپ کے حکمران سمندر خان نے مجھے طاغوت کو بھیج کر بلوایا تھا، وہ کسی وجہ سے بہت پریشان تھے۔"

اور وہ پوری تفصیل بتاتے چلے گئے۔ آخر بولے:

"اب میں یہ چاہتا ہوں، آپ ہمیں سرحد کے پاس چھوڑ کر واپس چلے

میں کودنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس نے چھلانگ لگا دی تھی یا اور بات ہے کہ نیچے جال تنا ہوا تھا اور وہ شخص جال پر گرا تھا۔ گیت گانے والوں نے انہیں دیکھ لیا تھا اور وہ ان سے بچنے کے چکر میں پھر نگرانوں کے پیچھے چڑھ گئے تھے۔ اب پھر وہی پراسرار غار ان کے سامنے تھا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، غار میں گھس گئے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ غار کے دوسرے دہانے تک پہنچ گئے، لیکن اس بار انہیں غار میں کوئی بھی نہیں ملا۔

"یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ بندھا ہوا شخص کون تھا اور اس نے سردار کے حکم کی تعمیل میں اتنی گہرائی میں چھلانگ کیوں لگا دی تھی۔" محمود نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایک ہی کیا تمہاری سمجھ میں تو کوئی بات بھی نہیں آئی۔" فاروق بولا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو، جیسے اس معاملے کی ہر بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو۔" محمود پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"نہیں تو، میں اس طرح تو ہرگز نہیں کہہ رہا۔" فاروق مسکرایا۔

"سنو، میں نے فیصلہ کیا ہے۔ اب ہم اس غار میں ہی رہیں گے، جب تک کہ ان معاملات کی تہہ تک نہ پہنچ جائیں۔" اچانک انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا فیصلہ کچھ عجیب سا فیصلہ ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے، یہی بات ہو۔ تم ہی بتاؤ، ہم کہاں جا سکتے ہیں یہ غار اس لحاظ سے بہترین ہے کہ اگر اس کے ایک طرف سے دشمن داخل ہو جائیں تو ہم دوسری طرف سے نکل سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اور اگر دشمن دونوں طرف سے غار کو گھیر لے؟" محمود بولا۔

"دونوں طرف سے کس طرح گھیر سکتا ہے، اسے کیا معلوم کہ اس غار کے

دو منہ ہیں۔"

"لیکن ان لوگوں کو ضرور یہ بات معلوم ہے، جو اس کے اندر گیت گا رہے تھے۔"

"ہاں، خیر دیکھا جائے گا۔"

دن بھر وہ وہاں چھپے رہے، پھر رات کی تاریکی پھیل گئی۔ اور پھر اچانک انہیں غار میں قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

کچھ لوگ اندر داخل ہو رہے تھے۔

☆☆☆

وہی آواز

"لو بھئی، ہوشیار ہو جاؤ۔ کچھ لوگ اندر داخل ہو رہے ہیں۔ اور میرے خیال میں یہ ضرور وہی لوگ ہیں، یعنی گیت گانے والے۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ غار ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں، ہو سکتا ہے، یہی بات ہو۔" فاروق بڑبڑایا۔

"آنے والے کم از کم بیس ہیں۔" محمود بولا۔

"گویا یہ سب کے سب وہی ہیں۔ کیا یہ کوئی گروہ ہے؟"

"ہاں، لیکن ہم اسے عجیب گروہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی سرگرمیاں سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں۔"

"اچھا بس، اب خاموش رہو۔ کہیں ہماری سرگوشیوں کی گونج ان تک نہ پہنچ جائے۔ آؤ ہم اس جگہ سے نزدیک ہونے کی کوشش کریں، جس جگہ وہ رات بیٹھے

تھے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

وہ اس سمت میں کھسکنے لگے۔ وہاں انہیں واقعی وہ بیس آدمی نظر آئے، لیکن آج ان کے درمیان کوئی آدمی بندھا ہوا نہیں پڑا تھا اور نہ وہ گیت گا رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے کہا۔

"سردار، کیا آپ کو یقین ہے، وہ ضرور آئے گا۔"

"ہاں، سو فیصد یقین ہے۔ میرا وار خالی نہیں جا سکتا۔" سردار کی آواز اُبھری۔

"اور اگر وہ ہمارے اندازوں کے مطابق آ گیا تو۔" ایک اور شخص بولا۔

"تو کیا، ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ذرا بھی دیر نہیں لگے گی۔"

"خدا کرے، ایسا ہی ہو۔" ایک اور نے کہا۔

اچانک ایک آدمی کے قدموں کی آواز گونج اٹھی۔

"وہ۔ وہ آ رہا ہے سردار۔" ایک نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ہاں، خاموش رہو اور صبر سے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کرو۔"

قدموں کی آواز گونجتی رہی۔ ان کا بھی بُرا حال تھا۔ نہ جانے کون آ رہا تھا۔ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔ سردار کو اس کے آنے کا سو فیصد یقین کس طرح تھا۔ یہ سب سوالات ان کے ذہنوں میں بار بار گونج رہے تھے۔ آخر آنے والا نزدیک آ گیا، مشعلوں کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی، لیکن اس نے خود کو کپڑوں میں لپیٹ رکھا تھا، اس طرح کہ چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تو تم اپنے وعدے کے مطابق آ گئے۔"

"ہاں۔" اس نے کہا۔ آواز بیٹھی ہوئی سی تھی۔

"وہ سب کچھ لے آؤ۔"

"ہاں، باہر جیپ کھڑی ہے، وہ اس میں ہے۔"

"ٹھہرو، پہلے ہم وہ غار میں لے آئیں۔ اپنا اطمینان کر لیں۔ پھر تمہیں جانے کی اجازت ہوگی۔ سردار بولا۔

"اچھا۔" اس نے کہا۔

"جاؤ، باہر جا کر دیکھو۔ جیپ پر جو کچھ لدا ہوا ہے، اتار کر لے آؤ۔"

"بہتر سردار۔"

تقریباً پندرہ آدمی اٹھے اور غار کے دہانے کی طرف چلے گئے۔ وہ آدمی بدستور کھڑا رہا۔

"تمہیں یہ سب کام کرنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں، میں نے ہر کام ہدایات کے مطابق کیا۔"

"بہت خوب، مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔" "تمہیں اس طرف آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

"سردار، میں ابھی تک ان چاروں کی طرف سے فکر مند ہوں۔ وہ بہت خطرناک ہیں۔ انہیں ختم کرنے کا ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔"

"نہ جانے وہ کس طرف نکل گئے ہیں۔" سردار کے ایک ساتھی نے کہا۔

"فکر نہ کرو، اگر وہ سامنے آ گئے تو ان سے بھی نبٹ لیا جائے گا۔" سردار بولا۔

اور وہ سمجھ گئے، یہ الفاظ ان کے لیے کہے گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جیپ پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے، لیکن آخر کیوں، یہ لوگ انہیں کیوں ختم کرنا

چاہتے تھے۔ یہ سوال ان کے ذہنوں میں بُری طرح چبھنے لگا۔ آخر پندرہ منٹ بعد پھر قدموں کی آواز گونجنے لگی۔ سردار کے ساتھی واپس آ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے وہ ان تک پہنچے۔ انہوں نے ایک بھاری بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ کوئی چیز نائیلون کے بڑے سے تھیلے میں بھری ہوئی تھی۔ وزن اس قدر تھا کہ اسے چار آدمیوں نے مل کر اٹھایا ہوا تھا۔

"اس ڈھیر کو یہاں رکھ دو۔ میں پہلے اسے ایک نظر دیکھوں گا۔"

اس کے ساتھیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تھیلا اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس نے تھیلے کے منہ پر بندھی رسی کو کھولا اور اندر جھانکا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر مسرت کی بجلی چمکی۔ تھیلے کا منہ اس نے بند کر دیا اور اس آدمی کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"ٹھیک ہے، اب تم جا سکتے ہو، لیکن جانے سے پہلے میری ہدایات سن لو۔ تم کسی کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے کیا کیا ہے یا یہ تھیلا اس غار میں پہنچایا ہے۔ یہ بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم نے تھیلے میں کوئی چیز بھری تھی۔"

"بہت اچھا، نہیں بتاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"اور اس تمام معاملے کو بالکل بھلا دینا، تاکہ تم سے کوئی کچھ معلوم نہ کر سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

"اب جاؤ۔"

"اچھا؟" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔ اب وہ غار کے اس دہانے کی طرف چلا جا رہا تھا، جس سے وہ چاروں داخل ہوئے تھے۔ جب کہ اس وقت وہ دوسرے دہانے کی طرف تھے۔ سردار اور اس کے ساتھی درمیان میں تھے، اس لیے وہ اس دہانے کا رخ تو کر ہی نہیں سکتے تھے، چنانچہ انسپکٹر جمشید نے انہیں دوسرے دہانے

کا رخ کرنے کا اشارا کیا۔ وہ دبے پاؤں چلتے آخر دہانے سے نکل آئے۔ اب بھی انہوں نے منہ سے کوئی لفظ نہ نکالا۔ کافی دور نکل آنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب دوڑ لگا دو۔ وہ آدمی نکل کر نہ چلا جائے۔ میں اسے ہر حال میں روکنا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا چاہتا ہوں، وہ کون ہے۔ کاش، اس کے منہ پر کپڑا نہ ہوتا۔ ویسے آواز جانی پہچانی تھی اور میں اندازہ ضرور لگا چکا ہوں کہ وہ کون ہے، تاہم اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ کے اندازے کے مطابق وہ کون ہے؟" محمود نے بے تابانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے ہمیں اس تک پہنچنا ہے۔ دوسرے دہانے سے نکلنے کی وجہ سے ہمارے لیے فاصلہ بہت بڑھ گیا ہے اور وہ شخص یوں بھی جیپ پر سوار ہے، لیکن پھر بھی ان راستوں پر جیپ کی رفتار نہ ہونے کے برابر ہے، لہٰذا امید کی جا سکتی ہے، ہم اسے جا لیں گے۔"

اور انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ کتنی دیر یہ دوڑ جاری رہی، پھر وہ اس راستے پر آ گئے، جس سے غار کے پہلے دہانے تک پہنچے تھے۔ انہوں نے دور دور تک نظریں دوڑائیں اور دور بہت دور ایک جیپ جاتی نظر آئی۔ ایک بار پھر انہوں نے دوڑ لگا دی۔ اب وہ جیپ کی سمت کو نظروں میں رکھ کر دوڑ رہے تھے۔

جس وقت وہ نیچے پہنچے۔ جیپ سڑک تک پہنچ چکی تھی۔ اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جیپ نے رفتار پکڑ لی۔

"دھت تیرے کی۔ یہ کیا ہوا؟" محمود نے بے چارگی کے عالم میں ران پر ہاتھ مارا۔

"افسوس، ساری محنت رائیگاں گئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"کیا کیا جا سکتا ہے۔ رات کے وقت ان اطراف میں کسی ٹیکسی کے ملنے کا بھی امکان نہیں۔" وہ بولے۔

"تب پھر صبر کیجیے، یوں بھی آپ اندازہ تو لگا ہی چکے ہیں کہ وہ کون تھا؟"

"ہاں، لیکن صرف اندازہ۔" وہ بولے۔

"جہاں تک ہمارا خیال ہے، آپ کا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔" محمود بولا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔ جیپ لمحہ بہ لمحہ ان سے دور ہوتی جا رہی تھی اور وہ کھڑے ہاتھ مل رہے تھے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"خیر کوئی بات نہیں، آؤ غار کی طرف چلیں۔ ہم اس تھیلے کا جائزہ تو لے ہی سکتے ہیں۔"

ان کے قدم پھر غار کی طرف اٹھنے لگے۔

☆☆

"ابا جان، کیا آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے؟" فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"کیا بتاؤں، ابھی تک میں خود بھی حالات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔" وہ بولے۔

"کم از کم یہ ہی بتا دیں کہ سمندر خان نے آپ کو کیوں نہیں پہچانا۔ کہیں انہوں نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ غار میں بندھا ہوا آدمی کون تھا؟" اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید محمود کو کوئی جواب دے سکتے، فاروق بول پڑا۔

"توبہ ہے تم سے، ایک بات پوری ہونے نہیں دیتے، اپنی ٹانگ اڑا دیتے

ہو۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

"اجی نہیں، بات کی ٹانگ۔" فاروق مسکرایا۔

"لیجیے ابا جان، اب باتوں کی بھی ٹانگیں ہونے لگیں۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"سنو بھئی، بات دراصل یہ ہے، میں کچھ بھی بتانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"موڈ میں نہیں ہیں، گویا بتا سکتے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، لیکن نہیں بتاؤں گا۔ اپنی اپنی عقلوں کو آزماؤ۔ کچھ ان پر زور ڈالو۔"

"جی بہتر، ہم ان پر ایسا زور ڈالیں گے کہ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔" فرزانہ کاٹ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"کک، کیا میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"کچھ غلط، تم تو نہ جانے کیا کچھ غلط کہہ جاتے ہو۔" محمود بولا۔

"تم دونوں تو میرے پیچھے پنجے جھاڑ کر ہی پڑ گئے ہو۔ لو، اب میں کچھ نہیں بولوں گا۔"

"خدا کا شکر ہے۔" فرزانہ نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اور میرے خیال میں یہ تمہارا کارنامہ ہوگا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"کارنامہ، کیسا کارنامہ؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔ فاروق نے بولنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔

"یہی، نہ بولنا۔ کچھ نہ بولنا کیا فاروق کے لیے کارنامہ نہیں ہے۔" محمود مسکرایا۔

"واقعی یہ کارنامہ تو سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہوگا۔" فرزانہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ یہاں سنہری حروف کہاں سے لائیں۔" محمود بولا۔ اور انسپکٹر جمشید مسکرا اٹھے۔

غار کے دہانے سے کچھ فاصلے پر ہی انہیں رک جانا پڑا۔ آٹھ آدمی ننگی تلواریں لیے دہانے پر موجود تھے۔ گویا غار کا پہرہ دے رہے تھے۔

"لو بھئی، یہ دہانہ تو ہمارے لیے ہو گیا بند۔ خیر آؤ دوسرے دہانے کی طرف چل کر دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ظاہر ہے، ادھر بھی نگران موجود ہوں گے۔" محمود بولا۔

"دیکھے بغیر رہ بھی تو نہیں سکتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے اپنے رخ تبدیل کر لیے۔ آخر دوسرے دہانے کے نزدیک پہنچ گئے۔ لیکن یہاں بھی پہرے دار نظر آئے۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"داخل ہونے کو تو ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ ان پہرے داروں کو راستے سے ہٹانا ہوگا، لیکن اس طرح سردار کو ہمارے بارے میں معلوم ہو جائے گا، جب کہ میں چاہتا ہوں، ابھی ہمارے بارے میں کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔"

"یہاں آ کر تو ہمیں دنیا ہی بدلی بدلی نظر آنے لگی ہے۔ طاغوت ہمیں خود یہاں تک لے کر آیا اور آتے ہی بدل گیا۔ اب وہ کہتا ہے، وہ ہمیں لینے کے لیے پہنچا ہی نہیں۔ سمندر خان آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن ان کا کہنا ہے، وہ آپ کو نہیں جانتے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔" محمود نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جو کچھ بھی ہے، بہت جلد سامنے آنے والا ہے، فکر نہ کرو۔''

''جی بہتر، نہیں کریں گے فکر۔'' فرزانہ بولی۔

''ارے، فاروق تو واقعی بالکل چپ ہو گیا۔ بھئی فاروق، بُری بات ہے۔''

''جی کیا مطلب؟ کون سی بات بُری ہے؟'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''یہی، اس طرح چپ ہو جانے والی۔'' وہ مسکرائے۔

''تو پھر ابا جان، مجھے کس طرح چپ ہونا چاہیے۔'' اس نے معصومانہ انداز میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

''کسی طرح بھی نہیں، تمہارا تو چہکتے رہنا ہی مناسب ہے۔'' وہ بولے۔

''یہ۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' فاروق ہکلایا۔

''اور کیا تمہارے خیال میں میرے فرشتے کہہ رہے ہیں۔'' وہ بولے، پھر چونک اٹھے۔

''آؤ اب ہمیں آبادی کی طرف چلنا چاہیے۔ آخر کچھ کھانے پینے کا بندوبست بھی تو کرنا ہے۔''

''اور کھانے پینے کا بندوبست کس طرح ہوگا؟''

''اللہ تعالیٰ کریں گے۔ ہم کون ہوتے ہیں کرنے والے، آؤ چلیں۔''

آبادی میں پہنچتے ہی انہوں نے ایک صاف ستھرے گھر کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ حیرت زدہ سے رہ گئے۔

''کیا اس گھر میں آپ کے واقف لوگ رہتے ہیں۔'' فرزانہ سے رہا نہ گیا۔

''نہیں بھئی، لیکن واقفیت پیدا کرتے کیا دیر لگتی ہے۔''

اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک نوجوان آدمی کی صورت نظر آئی۔'' کسی قدر حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا:

''جی فرمائیے، کیا بات ہے؟''

''ہم پردیسی ہیں، پریشان ہیں۔ کچھ دیر کے لیے سر چھپانے کی جگہ چاہیے۔ کیا آپ کے گھر میں اتنی جگہ ہوگی؟''

''ضرور، کیوں نہیں، تشریف لائیے۔'' اس نے خوش اخلاق مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

اور وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

''پہلے تعارف ہو جائے، پھر میں دیکھوں گا کہ آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

''جی ہاں، ٹھیک ہے۔ میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ آپ کے پڑوسی ملک سے آئے ہوئے ہیں۔''

''اور میں جلواد خان ہوں۔ آپ کن حالات کا شکار ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے پوری کہانی سنا دی، کچھ بھی نہیں چھپایا۔ ان کے خاموش ہونے پر جلواد خان نے مسکرا کر کہا:

''آپ کی ایک بات بہت پسند آئی۔''

''اور وہ کیا؟'' وہ چونکے۔

''یہ کہ آپ نے ذرا بھی جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک ایک بات

سچ سچ کہہ دی۔

"کک، کیا مطلب؟ آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"میں سمندر خان کے نگرانوں میں شامل ہوں۔ آج چھٹی پر ہوں۔ میں نے جشن کے میدان میں آپ کو جمال خان سے لڑتے بھی دیکھا تھا۔ اب بتائیے، آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"پناہ اور کھانا۔ کیونکہ جب تک ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ سمندر خان کے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے، اس وقت تک واپس جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، آپ کو یہاں پناہ بھی ملے گی اور کھانا بھی۔ میں پہلے تو کھانے کا بندوبست کرلوں۔ ویسے بھی آپ کو پناہ دینے میں مجھ پر کوئی الزام نہیں آتا۔ آپ لوگ حکومت کے مجرم قرار نہیں دیے گئے۔ آپ کو تو سرحد تک پہنچانے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ آپ کی جیپ پر سازشیوں نے حملہ کر دیا اور نگران مارے گئے۔ دریا خان نے تو اس وقت اندازہ لگایا تھا کہ آپ لوگ بھی نگرانوں کے ساتھ مارے جا چکے ہیں۔"

"اچھا، انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، اسی لیے تو آپ لوگوں کی تلاش نہیں کی گئی۔"

"کیا سمندر خان اب حکومت کے کام میں مشغول ہو چکے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، وہ آرام کر رہے ہیں۔ خود کو کچھ بیمار محسوس کرنے لگے ہیں ان دنوں۔"

"ہوں۔" انہوں نے کہا اور سوچ میں ڈوب گئے۔

وہ رات انہوں نے جلوادخان کے گھر میں بسر کی۔ دوسری صبح نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ نقارہ بجنے کی آواز سنائی دی۔ نقارہ بہت زور شور سے پیٹا جا رہا تھا۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ جلوادخان کے دروازے پر دستک دی تو وہ گھبرایا ہوا باہر نکلا۔

"جلوادخان، یہ نقارہ کیسا بج رہا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، تاہم ہمارے ہاں نقارہ بجنا کوئی خوش گوار بات نہیں ہوتی۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"نقارہ بجا کر کوئی اعلان کیا جائے گا۔ وہ اعلان خوش گوار نہیں ہو سکتا۔"

"تو کیا یہ نقارہ حکومت کی طرف سے بجایا جا رہا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ضروری نہیں، یہ حکومت کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور ریاست کے کسی آدمی کی طرف سے بھی۔ ریاست کے کسی آدمی کو اگر حکومت سے کوئی شکایت ہو تو وہ نقارہ بجا کر لوگوں کو جمع کر کے اپنی شکایت ان کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے۔ اس طرح وہ شکایت سمندر خان تک پہنچ جاتی ہے اور انہیں اس شکایت کا جواب دینا پڑتا ہے۔ حکومت کی طرف سے نقارہ کسی خطرے کی صورت میں یا کسی خاص آدمی کو سزا دینے کی صورت میں بھی بجایا جاتا ہے۔"

"لیکن جمال خان کی باری میں تو نہیں بجایا گیا۔" فاروق بول اٹھا۔

"جمال خان کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ اس روز تو پہلے ہی جشن کا دن تھا۔ سب لوگ پہلے ہی جمع تھے۔"

"تب تو ہم بھی اس اعلان کو سنیں گے۔"

"تو پھر چلیے، نقارہ سب سے بڑے چوک میں بجایا جاتا ہے۔ ہمیں وہاں چلنا پڑے گا۔ میں بھی وہاں جا رہا ہوں۔"

"تو کیا اس نقارے کو سن کر سب کے لیے چوک میں پہنچنا ضروری ہے۔"

"نہیں، لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو نہیں جاتے ہوں گے۔"

وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگے۔ نہ جانے کیا اعلان ہونے والا تھا۔ آخر جلواد خان کے ساتھ باہر نکلے۔ اس کی جیپ میں بیٹھ کر بڑے چوک میں پہنچے۔ وہاں ہزاروں آدمی ان سے پہلے جمع ہو چکے تھے اور تمام راستوں سے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ چلے آ رہے تھے۔ عجیب منظر تھا۔ نقارے کی آواز انہیں اپنے دلوں میں دھمک پیدا کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

نقارہ آدھ گھنٹے تک بجتا رہا۔ آخر خدا خدا کر کے نقارہ بجانے والے کے ہاتھ رک گئے اور لاؤڈ اسپیکر پر ایک آواز ابھرنے لگی:

"حاضرین السلام علیکم،

میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ نقارے کی آواز سن کر تشریف لائے۔ اس تاریخی چوک میں آج ایک تاریخی اعلان کیا جائے گا۔ آپ سب لوگ متوجہ ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنا تعارف کراؤں گا، کیونکہ قانون یہی ہے۔ میں عین چوک میں سٹیج پر کھڑا ہوں، جب کہ آپ لوگ بہت دور دور تک موجود ہیں، سب لوگ مجھے دیکھ نہیں سکتے، لہٰذا میرے نام سن لیں، مجھے تاری خان کہتے ہیں۔ آپ لوگ میرے نام سے واقف ہی ہوں گے۔ میں سمندر خان کے خاص آدمیوں میں سے ایک ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ خاموش ہو گیا۔ مجمعے میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونج اٹھی۔

آخر پھر تاری خان کی آواز گونجنے لگی:

"چونکہ میں اس مجمعے میں سمندر خان کے بارے میں چند باتیں کہوں گا۔ اس لیے اگر کل میں آپ کو نظر نہ آؤں تو آپ لوگ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مجھے غائب کرانے میں سمندر خان کا ہاتھ ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جو میں سمندر خان کے خلاف کرنا چاہتا ہوں۔ تو سنیے، سمندر خان ہماری ریاست کا دولت مند ترین آدمی نہیں، غریب ترین آدمی ہے اور ایک غریب ترین آدمی کو حکومت کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ یہی ہمارے ہاں کا قانون ہے۔ یہاں حکومت اس کے پاس رہتی ہے، جو سب سے زیادہ دولت مند ہو۔ میری یہ بات سن کر آپ کہہ اٹھیں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سمندر خان تو اس ریاست کے سب سے دولت مند ہیں اور اسی دولت کے بل پر وہ اب تک حکمران چلے آ رہے ہیں اور قانون کے مطابق حکمران ہونے سے پہلے انہوں نے پوری ریاست کے لوگوں کو اپنی دولت دکھائی تھی اور اعلان کیا تھا کہ اگر کسی کے پاس ان سے زیادہ دولت ہے تو سامنے لے آئے اور حکمران بن جائے، لیکن کسی کے پاس اتنی دولت تھی ہی نہیں تو لاتا کیا، لیکن آج میں اعلان کرتا ہوں کہ سمندر خان غیر ممالک میں جا کر بہت بڑا جوا کھیلنے کے

عادی ہو گئے ہیں۔ اسی لیے وہ اچانک غائب ہو جاتے ہیں
اور پھر آ جاتے ہیں۔ اس جوئے میں انہوں نے اپنی تمام
دولت ضائع کر دی ہے۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو
سمندر خان ریاست کے لوگوں کے سامنے اپنی دولت لے
آئیں۔ اس صورت میں وہ بدستور حکمران رہ سکیں گے، ورنہ
جس کے پاس سب سے زیادہ دولت ہو گی وہ حکمران بن
جائے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی تاری خان خاموش ہو گیا۔ اچانک ایک بگھی کی
آواز سنائی دی اور چوک تک جانے والے راستے میں چلتے نظر آئے۔ اس میں سمندر
خان کے نگران ننگی تلواریں لیے بیٹھے تھے۔

"وہ دیکھیے، نگران مجھے گرفتار کرنے آ رہے ہیں۔ میں گرفتار ہو رہا ہوں۔
اب سمندر خان کو چاہیے، قانون کے مطابق اسی چوک پر سورج غروب ہونے سے
پہلے اپنی دولت لا کر سب کو دکھائے اور مجھے بھی۔ اس کے بعد وہ مجھے جیل میں رکھنے
کے حقدار ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" آوازیں ابھریں۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے تاری خان کے ہاتھوں میں زنجیریں نظر آئیں۔
پھر اس کا تمام جسم زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ ساتھ ہی دریا خان کی آواز ابھری:

"سورج غروب ہونے سے پہلے نہیں، بابا جان اسی وقت اپنی دولت سب
لوگوں کو دکھائیں گے، کیونکہ تاری خان، تم جھوٹے ہو۔ بابا جان غیر ممالک میں جا کر
جوا نہیں کھیلتے، ہاں کبھی کبھار وہ غائب ضرور ہو جاتے ہیں، تاکہ چھپ کر لوگوں کے
حالات معلوم کر سکیں۔ کبھی کبھار وہ شکار کھیلنے کے لیے بھی چلے جاتے ہیں۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ سمندر خان جائیں اور جا کر اس خفیہ جگہ سے اپنی
دولت نکال لائیں، جہاں وہ چھپا کر رکھتے ہیں۔"

"میں نے انہیں پہلے ہی اس طرف بھیج دیا ہے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی
کا پانی ہو جائے اور اب میں سمجھا، بابا جان کچھ دنوں سے الجھنوں کا شکار کیوں تھے۔ وہ
تمہارے سازشی ذہن کو سمجھ گئے تھے، لیکن میں حیران ہوں، بھلا اس سازش سے تمہیں
کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"بس دیکھتے جائیں۔" زنجیروں میں جکڑے تاری نے کہا۔ اب دریا
خان اس کے برابر کھڑا تھا۔ مجمعے میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ ان کے پاس کوئی شخص کھڑا
کہہ رہا تھا:

"افسوس، تاری خان نے موت کو آواز دے ڈالی۔ اب اسے پھانسی پر
چڑھا دیا جائے گا۔"

"شاید اس کا دماغ چل گیا ہے، جو یہ الزام لگا بیٹھا۔" دوسرا بولا۔

اب پورے مجمعے میں کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ ان کی بے چینی بھی اب عروج
پر پہنچ چکی تھی۔

"ابا جان، یہ کیا چکر ہے۔ کیا یہی وہ سازش ہے جو سمندر خان کے خلاف
کی گئی ہے اور اسی کے سلسلے میں سمندر خان آپ کو بلانا چاہتے تھے۔"

"نظر تو یہی آتا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"اب دیکھیں، سمندر خان کتنی دیر بعد آتے ہیں اور ساتھ میں کیا لاتے
ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تم تاری خان کے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید عجیب
سے لہجے میں بولے۔

"جی، جی ہاں، دیکھ تو رہے ہیں۔"

"مجھے اس کے چہرے پر کامیابی کا یقین محسوس ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی آواز کچھ جانی پہچانی محسوس ہو رہی ہے۔"

"جانی پہچانی، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ ہم یہ آواز اس غار میں سنتے رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے، سردار کی آواز۔"

"اوہ۔" تینوں کے منہ سے حیرت کی زیادتی سے نکلا اور عین اسی وقت بگل بجنے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی، پھر لوگ کائی کی طرح چھٹنے لگے۔ چوک تک جانے والا راستہ آن کی آن میں صاف ہو گیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے سمندر خان کی بگھی چوک میں پہنچ گئی اور پھر سمندر خان اس سے اتر کر تخت پر جا چڑھا۔ اس کا چہرہ دمکتا ہوا تھا۔ آنکھیں خلا میں گڑی ہوئی تھیں۔ بگھی میں سے کچھ بھی سامان نہ اتارا گیا تو دریا خان اچھل پڑا۔

☆☆☆

کل کہانی

"بابا جان، یہ کیا، دولت کہاں ہے؟"

"مم، میرے پاس۔ دولت نہیں رہی۔" سمندر خان نے ہکلا کر کہا۔

"جی، کیا فرمایا آپ نے، دولت آپ کے پاس نہیں رہی۔ پھر وہ کہاں چلی گئی۔"

"مم، میں نہیں جانتا۔" وہ بولے۔

"کیا آپ اپنی خفیہ جگہ کو اچھی طرح دیکھ چکے ہیں؟" دریا خان نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، بہت اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"لل، لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ہو کیوں نہیں سکتا۔ تمام دولت جوئے میں ہار دی گئی۔" تاری خان چہک کر بولا۔

"تم چپ رہو۔" دریا خان غرایا۔

"دریا خان، یہ غرانا تمہیں بہت مہنگا پڑنے والا ہے۔ کیوں کہ صبح کا سورج

اس ریاست کا حکمران مجھے دیکھے گا۔"

"خاموش۔" دریا خان آپے سے باہر ہو گیا۔

"دریا خان، تم اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ ذرا اپنے بابا جان کی طرف دیکھو۔ ان کی صورت پر کیا تمہیں ناکامی لکھی نظر نہیں آ رہی۔"

دریا خان پھر سمندر خان کی طرف مڑا اور بولا:

"بابا جان، کہہ دیجیے نا، یہ جھوٹ ہے۔ آپ کی دولت آپ کے پاس موجود ہے۔"

"میں کس طرح کہہ دوں دریا خان، دولت خفیہ جگہ موجود نہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ اس شخص کو آپ کی اس خفیہ جگہ کا پتا چل گیا ہو اور اس نے وہاں سے چرائی ہو۔"

"نہیں، اس جگہ کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں۔ یہاں تک کہ تمہیں بھی نہیں اور پھر اس جگہ کے تمام دروازے، اور راستے بالکل بند ملے ہیں، تالے لگے ہوئے ملے ہیں۔ میں کس طرح کہہ دوں کہ تاری خان نے میری دولت چرائی۔"

"اُف خدا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"وہی جو حقیقت ہے۔"

"اس صورت میں تو ہمیں تاری خان کو کھولنا پڑے گا۔" دریا خان تھر تھر کانپتی آواز میں بولا۔

"تم کیا مجھے کھولو گے، میرے سپاہی خود مجھے کھول دیں گے، کیونکہ اب وہ جان گئے ہیں کہ ان کا حکمران میں ہوں۔ چلو میرے وفادارو، مجھے کھول دو، ان دونوں کو گرفتار کر لو۔ انہوں نے جوا کھیل کر بہت بڑا جرم کیا ہے۔"

سپاہیوں نے ہچکچاہٹ کے عالم میں سمندر خان اور دریا خان کی طرف

دیکھا، پھر تاری خان پر نظر ڈالی۔

"سوچ کیا رہے ہو۔ ان کا سورج غروب ہو چکا ہے۔ مجھے کھول دو، ان دونوں کو گرفتار کر لو۔ اب میں تمہارا حکمران ہوں۔"

آخر سپاہی اس کی طرف بڑھے۔ سمندر خان اور دریا خان گنگ کھڑے رہ گئے۔ ایک لفظ منہ سے نہ نکال سکے۔

"ٹھہرو۔" ایک بلند آواز ابھری۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اسی آواز کا انتظار کر رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید اس موقعے پر بھی نہ بولتے تو پھر کب بولتے۔ بے شمار لوگوں نے ان کی طرف دیکھا اور پھر وہ راستے پر چلتے چوک کی طرف جانے لگے۔

"تم رک کیوں گئے۔ مجھے کیوں نہیں کھولتے۔ یہ کون ہوتا ہے تمہیں روکنے والا، جب کہ سمندر خان اور دریا خان تک خاموش کھڑے ہیں۔" تاری خان چلایا۔

"ارے، یہ تو انسپکٹر جمشید ہیں۔" دریا خان حیران ہو کر بولے۔

"اس شخص اور اس کے بچوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ یہ اس ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کرتے پھر رہے ہیں، جب کہ پڑوسی ملک کے ہیں اور انہیں ہمارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

سپاہی پھر تاری خان کی طرف بڑھے۔ انسپکٹر جمشید ایک بار پھر چلا اٹھے:

"میں کہتا ہوں ٹھہرو، یہ شخص بھی حکمران نہیں ہے، کیونکہ اس کے پاس بھی دولت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ پہلے اسے چاہیے، خود کو حکمران ثابت کرے، یعنی اپنی دولت سب کے سامنے لا کر دکھائے۔"

"یہ ٹھیک ہے، یہ ٹھیک ہے۔" ہزاروں لوگ ایک ساتھ بول اٹھے۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ تخت تک پہنچ چکے تھے۔ وہ اچھل کر تخت پر

بڑھ گئے اور بلند آواز میں بولے:

''ہمیں سمندر خان نے بلایا تھا، لہٰذا ہم ان معاملات میں دخل اندازی کر سکتے ہیں۔''

''یہ غلط ہے، سمندر خان نے تم لوگوں کو ہرگز نہیں بلایا۔ کیوں سمندر خان۔''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ میں نے ان لوگوں کو ہرگز نہیں بلایا۔''

اور وہ دھک سے رہ گئے۔ ان حالات میں بھی سمندر خان یہ کہہ رہے تھے۔

''بابا جان، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' دریا خان چلا اٹھا: ''اس بات کا تو کم از کم میں بھی گواہ ہوں کہ آپ نے ان لوگوں کو بلانے کے لیے طاغوت کو بھیجا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ طاغوت کا کہنا ہے، وہ ان تک پہنچا ہی نہیں۔''

''دریا خان، میں کہہ چکا ہوں، میں نے ان لوگوں کو نہیں بلایا تھا۔ میں اپنی دولت واقعی لٹا بیٹھا ہوں۔ سپاہیو، اپنے نئے حکمران کو کھول دو۔'' سمندر خان نے جلدی جلدی کہا۔

اب تو سپاہی تیزی سے تاری خان کی طرف مڑے۔

''ہرگز نہیں، عوام کا جو فیصلہ ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔ پہلے تاری خان اپنی دولت سب کے سامنے پیش کرے۔ اس کے بعد ہی وہ حکمران ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ ریاست کا قانون یہی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے، میرے آدمی فوراً جائیں اور دولت لے آئیں۔'' تاری خان نے مجبور ہو کر کہا۔

''یہ ہوئی نا بات۔ اب ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''اف خدا، یہ کیا ہو رہا ہے۔ تاری خان بابا جان کے بعد اس ریاست کا سب سے دولت مند آدمی ہے تو...... تو کیا۔'' دریا خان ہکلا کر رہ گیا۔

''تو، تو کیا، اب میں حکمران ہوں اور بس۔''

''بابا جان، آپ کچھ بولتے کیوں نہیں۔''

''یہ کیا بولیں گے۔ ابھی تمہارے یہ ہمدرد بھی بولنا بھول جائیں گے۔''

اس نے انسپکٹر جمشید وغیرہ کی طرف اشارا کیا۔

''آپ کا اشارا ہماری طرف ہے تو سنیے۔ یہ آپ کی سراسر بھول ہے، ہم بولنا نہیں بھول سکتے۔ کم از کم میں تو ہرگز نہیں بھول سکتا۔'' فاروق نے چہکتی آواز میں کہا۔

''سراسر بھول، بھلا سراسر بھول بھی ہوتی ہے۔'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''پتا نہیں ہوتی ہے یا نہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

اس دوران آٹھ دس آدمی راستے سے گزرتے مجمعے سے نکل چکے تھے۔

صاف ظاہر تھا، وہ تاری خان کے آدمی تھے۔

''سپاہیو، تم نے مجھے اب تک نہیں کھولا۔ یہ بات یاد رکھنا۔'' اس نے گویا دھمکی دی۔

اب سپاہی رک نہ سکے اور انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی زنجیریں کھول دیں۔ انسپکٹر جمشید بھی خاموش رہے۔ وہ جو کچھ کر چکے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

''بابا جان، کیا آپ واقعی غیر ممالک میں جا کر جوا کھیلتے رہے ہیں؟''

''نن، نہیں۔'' سمندر خان ہکلائے۔

"تو پھر آپ کی دولت کہاں ہے؟"

"پ، پتا نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" دریا خان نے بھنا کر کہا۔

"پ، پتا نہیں۔" سمندر خان بولے۔

"بہت شان دار جواب ہے، اس جواب کا بھی جواب نہیں۔" فاروق بولا۔

"آخر ہم یہاں کب تک کھڑے رہیں گے؟" مجمعے میں سے کسی نے کہا۔

"یہ ریاست کی تاریخ کا بہت اہم دن ہے۔ ایک غلط حکمران سے حکومت جا رہی ہے اور حق دار کو ملنے والی ہے۔ آپ کو تمام دن بھی کھڑے رہنا پڑے تو کھڑے رہیں۔" تاری خان بولا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ آخر ایک گھنٹے بعد بیس کے قریب آدمی آتے دکھائی دیے۔ لوگوں کی نظریں ان پر جم گئیں اور یہ دیکھ کر تاری خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ ان کے ہاتھ خالی تھے۔

☆☆

"یہ کیا۔ تم خالی ہاتھ کیوں آ گئے۔ دولت کیوں لے کر نہیں آئے۔"

"دولت وہاں نہیں ہے سردار۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا بک رہے ہو، دولت وہاں نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو دولت پر تقریباً سولہ محافظ مقرر کیے تھے۔"

"جی ہاں۔ ان میں سے ایک طرف کے محافظ بے ہوش پڑے ملے ہیں۔ انہیں اب تک ہوش نہیں آ سکا۔ ہوش میں آنے کے بعد ہی وہ کچھ بتا سکیں گے۔"

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"سپاہیو، یہ شخص فراڈ ہے، دھوکے باز ہے۔ اسے دوبارہ گرفتار کر لو۔" دریا خان چلایا۔

"ہرگز نہیں، میری دولت کسی نے اڑا لی ہے۔ اصل مجرم دولت کا چور ہے۔"

"لیکن اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ تمہارے پاس دولت تھی، اور وہ چوری ہو گئی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تمہارے پاس بابا جان سے زیادہ دولت نہیں تھی اور تم نے ڈراما رچایا ہے۔"

"میرے پاس تمہارا بابا جان سے کم دولت اور ریاست کے باقی لوگوں سے زیادہ دولت تو پہلے سے تھی۔" تاری خان چیخ کر بولا۔

"تو پھر پیش کیوں نہیں کی گئی؟"

"بتایا جا چکا ہے، چوری ہو گئی ہے۔"

"لیکن اس بات کا ثبوت کوئی نہیں۔"

"اس معاملے کو میں حل کر سکتا ہوں، تمام الجھی ہوئی باتوں کو سلجھا سکتا ہوں، اگر آپ لوگ منظور کریں اور مجھے اس کا اختیار دیں۔" اچانک انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

ہر طرف ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ سب لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے، پھر دریا خان جلدی سے بولا۔

"ضرور ضرور، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔ اس شخص کا ہماری ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔" تاری خان نے بھنا کر کہا۔

"تعلق ہو یا نہ ہو، جب یہ شخص تمام الجھنیں دور کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے تو

"وضاحت یہ بعد میں کیا کرتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ وضاحت میں اب کروں گا۔ تو سنیے، جب ہم طاغوت کے ساتھ سرحد پار پہنچے تو بین کی آواز سنائی دی۔ سپیروں کے سردار کو میں نے دیکھا، پھر وہی شخص غار میں بیس آدمیوں کے سردار کے روپ میں نظر آیا اور وہی شخص آپ لوگوں کے سامنے تاری خان کے روپ میں موجود ہے۔"

"کیا مطلب، کیا کہا؟" ہزاروں حیرت بھری آوازیں ابھریں۔

"سنیے، ابھی وضاحت کرتا ہوں۔ یہ شخص یعنی تاری خان دراصل ہپناٹزم کا ماہر ہے، کچھ جادوئی عمل بھی جانتا ہے۔ اس نے حکمران بننے کے لیے یہ عجیب طریقہ اختیار کیا کہ پہلے تو ہپناٹزم کے ذریعے سمندر خان کو اپنا معمول بنایا اور اس پر ہپناٹزم کا عمل آہستہ آہستہ شروع کر دیا، تاکہ یہ اس کا ہر حکم ماننے لگ جائیں۔ ہپناٹزم کے زیر اثر آنے کے بعد سمندر خان الجھن محسوس کرنے لگے اور انہوں نے طاغوت کے ذریعے مجھے بلانا کا فیصلہ کر ڈالا۔ ایک خط بھی لکھ دیا، لیکن چونکہ تاری خان محل میں ہی موجود تھا، لہٰذا اس نے فوراً نوٹ کر لیا۔ طاغوت پر ہپناٹزم کر ڈالا اور اسے ہدایات دیں کہ سرحد پار پہنچ کر خط ضائع کر دے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ہمیں لے کر یہاں آ گیا، لیکن چونکہ یہ ہپناٹزم کے زیر اثر آ چکا تھا اور جہاں تک میرا خیال ہے، تاری خان بین کی آواز کے ذریعے ہپناٹزم کرتا ہے، اس لیے طاغوت بین کی آواز کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ مجھے اس آواز سے خطرہ محسوس ہوا تو میں جیپ لے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ سمندر خان کو یہ شخص ہمارے آنے سے پہلے ہی ہپناٹزم کے ذریعے اپنے پاس بلا چکا تھا اور اس نے انہیں اسی غار میں رکھا ہوا تھا۔ ہم نے جس بندھے ہوئے آدمی کو دیکھا، وہ سمندر خان تھے یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ سمندر خان مکمل طور پر اس کے زیر اثر آ گئے ہیں یا نہیں، لہٰذا نیچے جال تان کر انہیں اوپر سے چھلانگ لگانے کا حکم دیا گیا۔ جو

شخص ہپناٹزم کے زیر اثر نہ ہو، وہ کبھی بھی سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں چھلانگ نہیں لگا سکتا، انہوں نے لگا دی اور اس نے جان لیا کہ سمندر خان پوری طرح اس کے قبضے میں آ چکے ہیں، لہٰذا اس نے انہیں حکم دیا کہ اپنی تمام دولت خفیہ جگہ سے نکال کر غار میں پہنچا دے۔ اور یہ کام رات کی تاریکی میں کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سمندر خان نے اپنی دولت غار میں پہنچا دی۔"

"اُف خدا، تو وہ شخص ہی سمندر خان تھے۔" محمود کانپ کر بولا۔

"ہاں، اگر میں تمام معاملے کو بھانپ نہ چکا ہوتا تو اس وقت اس ریاست کا حکمران تاری خان بن چکا تھا۔ سمندر خان اور دریا خان قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔"

"لیکن ابا جان، تاری خان کے آدمی غار سے دولت اٹھا کر یہاں کیوں نہیں لا سکے۔"

"اس لیے کہ تم لوگ اپنے میزبان جلواد خان کے گھر پہنچ کر اور کھانا کھا کر سو گئے تھے، جب کہ میں ساری رات نہیں سویا تھا۔ میں تنہا غار تک گیا۔ ایک گیس کے ذریعے ایک دہانے کے محافظوں کو بے ہوش کیا اور سارا سونا نکال لایا، یہ سلاخوں کی صورت میں ہے، چنانچہ اب سونا بطور امانت جلواد خان کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔ جیپ لے کر میرے ساتھ پہاڑیوں تک گئے اور سونا لاد کر لائے، لہٰذا میں دریا خان سے درخواست کروں گا کہ وہ جلواد خان کو بھی خاص آدمیوں میں شامل کر لیں۔"

"بہت بہتر، ایسا ضرور کیا جائے گا۔" دریا خان خوش ہو کر بولے۔

"لیکن ابا جان، آپ نے یہ درخواست سمندر خان سے کیوں نہیں کی۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"اس لیے کہ سمندر خان ابھی تاری خان کے زیر اثر ہیں۔ اب تاری خان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ انہیں ہپناٹزم کے اثر سے نکال دیں اور طاغوت کو بھی۔"

"اور غار میں وہ گیت کیسا تھا؟"

"وہ بھی ہپناٹزم کا ایک حصہ تھا۔"

"اوہ۔"

"سپاہیو، اس غدار کو گرفتار کرلو۔" دریا خان نے حکم دیا۔

لیکن اس کے حکم سے پہلے تاری خان تخت سے نیچے چھلانگ لگا چکا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے فوراً بعد محمود نے چھلانگ لگا دی اور عین اس کے سر پر گرا۔ دونوں دھڑام سے گرے۔

"یہ کیا کررہے ہو۔" فاروق نے کہا اور خود بھی تاری خان پر چھلانگ لگا دی۔

"توبہ ہے، کیا بدتمیزی ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا اور اس نے بھی چھلانگ لگا دی۔ اب تینوں تاری خان کی کمر پر اچھل کود مچا رہے تھے۔

"یہ تم کیا کررہے ہو۔" انسپکٹر جمشید بھنا اُٹھے۔

"جی تاج۔ یہ تاج کا دوسرا حصہ ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تاج کا دوسرا حصہ۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں، کیوں، اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟" فاروق بولا۔

"بھلا کہیں تاج کا بھی دوسرا حصہ ہوتا ہے؟" وہ بولے۔

"جی کیوں نہیں۔ دوسرا حصہ تو کسی چیز کا بھی ہوسکتا ہے اور دوسرے حصے کی کیا بات ہے، تیسرا اور چوتھا حصہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"اب تم حصے کے پیچھے ہاتھ دھو کر نہ پڑ جانا۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت تاری خان پلٹی کھانے میں کامیاب ہو گیا اور یہ تینوں دھڑام سے گرے۔ سپاہیوں نے تاری خان کو دبوچ لیا اور وہ بُرے بُرے منہ بنانے لگے۔

"تاج کا تیسرا حصہ بہت خوب رہا۔" فاروق نے سر سہلاتے ہوئے کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

☆☆☆

-----------☆☆☆-----------
اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2581720 - 2578273
e-mail: atlantis@cyber.net.pk